فروری 2014، قیمت 10 روپے

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

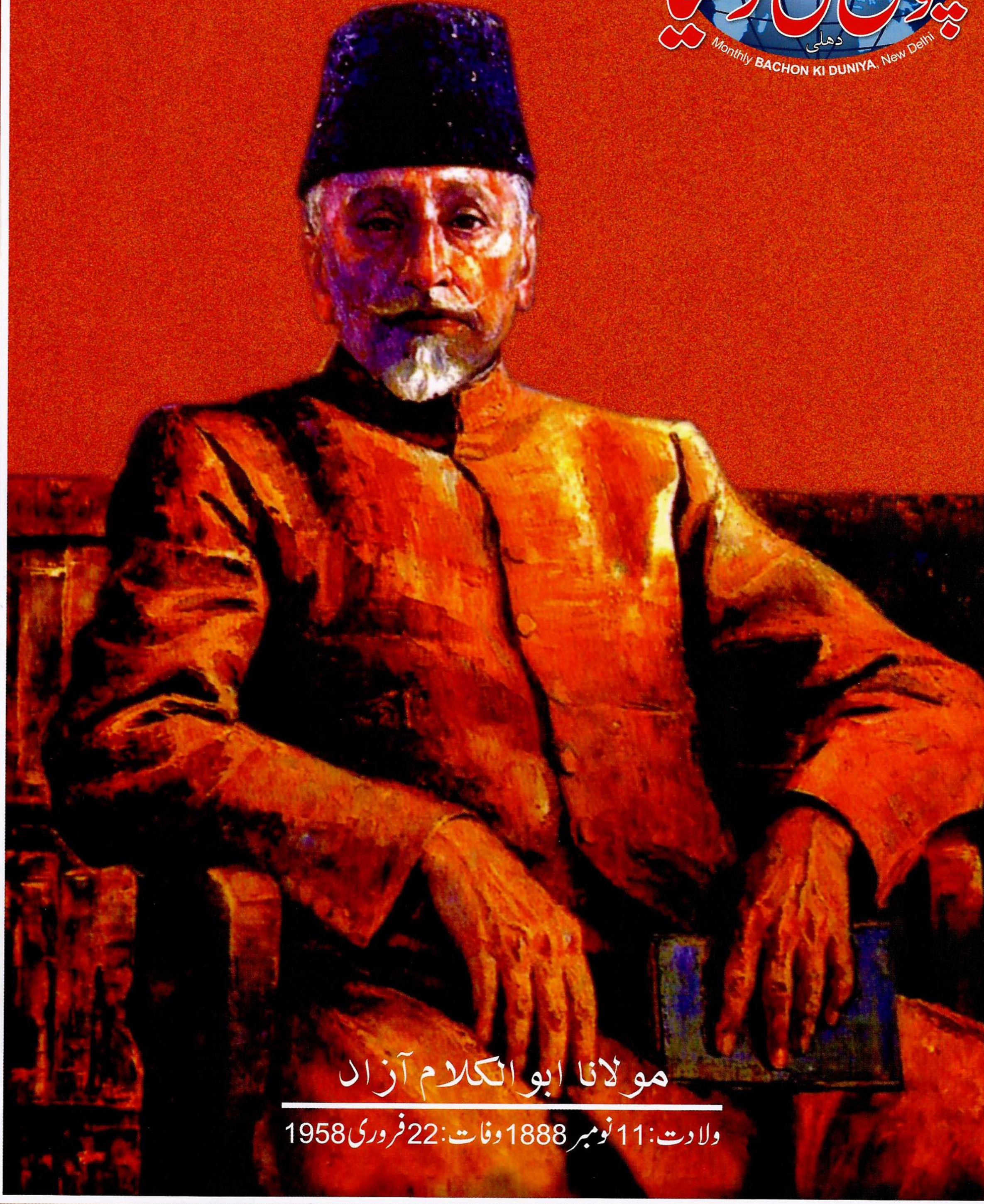

مولانا ابوالکلام آزاد

ولادت: 11 نومبر 1888 وفات: 22 فروری 1958

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
نظم	سبقِ اردو	محمد یاسین ہردویانوی	3
دنیا کے مذاہب	ہندودھرم	نصرت ظہیر	4
مضمون	مکہ میں پیدا ہونے والا عظیم ہندوستانی رہنما	ایس.جی.حیدر	8
دل چسپ خبریں	دنیا ایک عجائب خانہ	ادارہ	11
نظم	پیاری بیٹی	عمران احمد عندلیب	14
کہانیاں	دسہری آم	عطیہ پروین	15
	پانچ مختصر کہانیاں	سلطان احمد ساحل	19
	انگور میٹھے ہیں	راحت روش	24
منظوم کہانی	سچا چور	حضور سہسوانی	26
کامکس	گلیور باشتیوں کی دنیا میں ۔3	جوناتھن سوئفٹ	29
اس مہینے کی باتیں	فروری: واقعات کے آئینے میں	ادارہ	35
آپ کے سوال	ڈاکٹر بقراط کے جواب	ادارہ	42
نانی کا صندوق	نظم: ایک کہانی ہندسوں کی	کیفی اعظمی	46
	کہانی: اصلی شہزادی	اینڈرسن	47
	نظم: باباجانی	نامعلوم	49
قسط وار ناول	اسّی دن کا سفر۔9	جولزورنے	50
کھیل کھلاڑی	باسکٹ بال	شبنم پروین	58
اردو ایس ایم ایس	یہ مزے مزے کی حکایتیں	ادارہ	61
دماغی ورزش	ذہنی آزمائش	ادارہ	62
ننھے فنکار	بچوں کی تخلیقات	ادارہ	64

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

جلد:2 شمارہ:2 فروری 2014

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا

فیز-II، نئی دہلی-110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

صدر دفتر

فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبۂ ادارت 'بچوں کی دنیا': 49539011

ای میل

bachonkiduniya @ncpul.in

editor@ncupul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں

شعبۂ فروخت: فون:26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 24415194 - 040

آپس کی باتیں

دوستو آپ نے شیخ چلی کی وہ کہانی تو سنی ہوگی جس میں وہ خیالی پلاؤ پکاتا ہے۔ ایک سپاہی نے اسے خالی دیکھ کر تیل کا ایک پیپا دیا اور کہا کہ اگر تم اسے میرے گھر تک پہنچا دو تو میں تمھیں مزدوری کے دو آنے دوں گا۔ شیخ چلّی پیپا سر پر رکھ کر لے چلا اور سوچنے لگا کہ ان دو آنوں کا کیا جائے۔ سوچتے سوچتے اسے خیال آیا کہ دو آنے سے ایک مرغی خریدوں گا۔ اس کے انڈوں سے جو بچے نکلیں گے انھیں بیچ کر ایک بکری لے لوں گا۔ بکری کے بچے بڑے ہوں گے تو ان سے ایک بھینس خریدوں گا۔ بھینس کے بچے بڑے ہوں گے تو ان کے بدلے کھیت لے لوں گا۔ پھر کھیتی سے جو منافع آئے گا اس سے ایک بڑا مکان بنواؤں گا اور شادی کرلوں گا۔ اس کے بعد جب میں شام کو گھر آیا کروں گا تو میرے بچے مجھے ابوابو کہہ کر لپٹ جایا کریں گے۔ میں تھکن کی وجہ سے انھیں جھڑک کر دور ہٹادوں گا۔ جیسے ہی اس نے خیالی بچوں کو دونوں ہاتھوں سے دور ہٹانے کی کوشش کی تیل کا پیپا زمین پر گر پڑا اور سارا تیل بہہ گیا۔ اس پر سپاہی کو غصہ آیا اور اس نے کہا، ''ارے نالائق، کیا تو نے افیم چڑھالی ہے کہ میرا دس روپے کا تیل مٹّی میں ملا دیا۔''

یہ سن کر شیخ چلّی نے کہا، ''او بدبخت، تو اپنے دس روپوں کو روتا ہے، اور یہاں میرا کنبے کا کنبہ غارت ہوگیا۔''

بظاہر یہ کہانی ہنسنے ہنسانے کے لیے گڑھی گئی ہے لیکن اس میں ایک ایسا سبق بھی چھپا ہوا ہے جس کی طرف اکثر لوگوں کی نظر نہیں جاتی۔ یہ سبق ہے خیالی پلاؤ بنانے کا سبق۔ خوابوں کے محل سجانے کا سبق۔ کسی بڑے عالم کا کہنا ہے کہ خوابوں کے محل ضرور تعمیر کرو، بس ان کے لیے عمل کی بنیاد رکھتے جاؤ۔ شیخ چلی کی کہانی ہنسنے ہنسانے کی کہانی ہے۔ ہم اس کہانی کے شیخ چلّی کو بے وقوف اور احمق کہہ کر لطف لیتے ہیں۔ لیکن اس کی یہ خوبی ہمیں دکھائی نہیں دیتی کہ وہ خواب دیکھتا تھا۔ جب آپ اس دنیا کے بڑے لوگوں کے بارے میں پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ خواب دیکھنا کتنی بڑی بات ہے۔ انسان نے 'آبِ حیات' حاصل کرنے کا خواب دیکھا جسے پی کر آدمی امر ہوجاتا ہے۔ آبِ حیات تو اسے نہیں ملا مگر اس دھن میں اس نے ایسی بہت سی دوائیں ایجاد کرلیں جو طرح طرح کی بیماریوں سے چھٹکارا دلا دیتی ہیں۔ انسان نے 'پارس' پتھر کا تصور کیا جس کو چھونے سے ہر دھات سونا بن جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو ایک ایسا محلول یا سیال بنانے کا خیال آیا جس میں ہر شے گھل جایا کرے۔ یہ سوچے بغیر کہ 'پارس' سے ہر چیز سونا بن گئی تو اس کی کیا قیمت اور وقعت رہ جائے گی، اور ایسے محلول کو کس برتن میں رکھا جائے گا جس میں ہر شے گھل جاتی ہے، انسان نے طرح طرح کے تجربے شروع کر دیے۔ اس کے بعد نہ تو سونا بنانے کی کیمیا ہاتھ آئی نہ وہ خیالی محلول تیار ہوسکا لیکن 'کیمسٹری' یا کیمیا کے ایک ایسے علم کی بنیاد ضرور پڑ گئی جس نے اس دنیا کی تصویر بدل کر رکھ دی۔

اس لیے میں تو کہوں گا کہ آپ بھی بڑے بڑے خواب دیکھیے۔ بڑا ادیب، بڑا سائنسداں، بڑا کھلاڑی، بڑا ڈاکٹر یا بڑا موسیقار، انجینئر، سیاست داں، صنعت کار، مصور... الغرض کسی بھی شعبے کی بڑی ہستی بننے کا خواب! ایک دن آپ خود محسوس کریں گے کہ یہ خواب ہی آپ کی سب سے بڑی دولت اور طاقت ہیں۔ اس لیے بڑے خواب ضرور دیکھیے۔ بس اتنا خیال رہے کہ خوابوں کے ان محلوں کے نیچے عمل کی چھوٹی چھوٹی بنیادیں رکھتے جائیں۔ پھر دیکھیے کیا چمتکار ہوتا ہے۔

آپ کا رسالہ 'بچوں کی دنیا' ان دنوں ترقی کی نئی منزلیں چھو رہا ہے۔ اس کی تعداد اشاعت میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ میں اس کے لیے آپ کو بھی مبارک باد دیتا ہوں، کیونکہ یہ آپ ہی کا رسالہ ہے۔ آپ کا دوست

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

محمد یاسین ہردویانوی

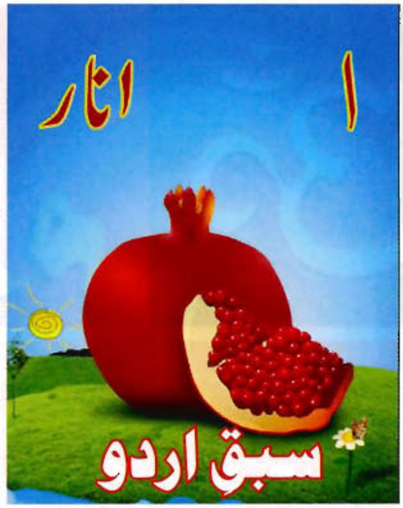

ا: الف سے اللہ ، آم ، اچار
ب: بے سے بندہ، باغ، بہار
پ: پے سے پیٹ ، پالنا ،پوت
ت: تے سے تال ،تیل ، تابوت
ٹ: ٹے سے ٹٹّو، ٹوپی ،ٹال
ث: ثے سے ثالث، ثمر،ثُقال [1]
ج: جیم سے جیل، ، جہاز اور جوتا
چ: چے سے چیل ، چاند اور چیتا
ح: حے سے حاجی، حاجت ، حور
خ: خے سے خیر، خبر بھر پور
د: دال سے دادا ،دادی، دال
ڈ: ڈال سے ڈیڈی، ڈھول اور ڈھال
ذ: ذ سے ذاکر ذ سے ذائل [2]
ذال سے ذاہل یعنی غافل
ر: رے سے رسی ، رخ، رہگیر
ز: زے سے زخم ، زباں ، زنجیر
س: سین سے سردی ،، ساز ، سلام
ش: شین سے شمع، شہد اور شام
ص: صاد سے صبح، صبا اور صور
ض: ضاد سے ضد، ضیغم ، ضرور
ط: طوئے سے طاقت، طوطا ، طور
ظ: ظوئے سے ظالم، ظلم ، ظہور
ع: عین سے علم ، عمل اور عامل
غ: غین سے غم ، غفلت اور غافل
ف: فے سے فطرت، فضل، فضول
ق: قاف سے قدرت ، قول، قبول
ک : کاف سے کاغذ اور کاجل
گ : گاف سے گائے، گنگا جل
ل: لام سے لکڑی، لہراور لال
م: میم سے ملک، محبت ، مال
ن: نون سے نان، ناک ،نایاب
و: واؤ سے واحد، وہم ،وہاب
ہ: ہ سے ہاتھی ، ہادی ،ہار
ے: یے سے یاری، یعنی ، یار
پڑھو سبق گر پڑھنا ہے
پڑھ کر آگے بڑھنا ہے

♦ محمد یاسین صدیقی 41/53 گپسن گنج، ریلوے گنج، ہردوئی، یوپی 241001

نصرت ظہیر

ہندو دھرم

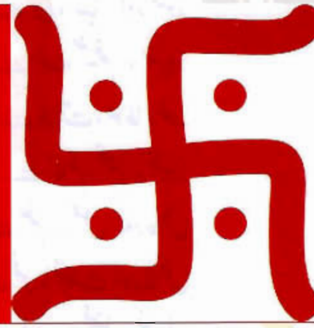

'دنیا کے مذہب' کی اس سیریز کے تحت اب تک ہم بدھ دھرم، جین دھرم، زرتشتیت اور سکھ دھرم کے بارے میں جان چکے ہیں کہ ان مذہبوں کے بانی کون تھے، ان کی بنیادی تعلیمات اور فرائض کیا ہیں، اور ان کا رواج کب اور کن حالات میں پڑا۔ اس سیریز کا مقصد آپ کو دنیا کے مختلف مذہبوں کے بارے میں وہ بنیادی معلومات فراہم کرانا ہے جسے آپ آسانی سے سمجھ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زیادہ گہرائی میں نہیں جا رہے ہیں اور مذہبوں سے متعلق صرف ان باتوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے زیادہ تر لوگ اتفاق رکھتے ہوں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اکثر باتیں سبھی مذہبوں میں لگ بھگ ایک جیسی ہیں۔ اس مرتبہ آپ جنوبی ایشیا کے سے بڑے مذہب، ہندو دھرم کے بارے میں پڑھیں گے، جو دنیا کے قدیم ترین مذہبوں میں سے ایک ہے اور جسے اس کی پیچیدگیوں کی وجہ سے پوری طرح سمجھنا کچھ مشکل ہے۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے آپ میں سے جو مذہبی اعتبار سے ہندو نہیں ہیں انھیں دنیا کے اس اہم مذہب کے بارے میں تھوڑی بہت بنیادی جانکاری دے سکیں۔

بچو، اس دنیا کے جن علاقوں میں انسانی تہذیب نے سب سے پہلے آنکھیں کھولیں ان میں ہندوستان شامل ہے اور اس تہذیب کی عمر ساڑھے پانچ ہزار سال سے زیادہ ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندو دھرم کی شروعات کب ہوئی۔ عام طور پر اسے آریوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد شروع ہونے والا مذہب مانا جاتا ہے۔ آریہ وسطی ایشیا سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے (حضرت عیسیٰ کے دور سے ڈیڑھ ہزار سال قبل) ہندوستان آئے تھے۔ لیکن ان کے آنے سے بھی پہلے یہاں مذہبی ریت رواج موجود تھے اور ہندوستان کے قدیم باشندے ان مذہبوں کو مانتے تھے۔ آریوں کے آنے سے پہلے کی وادی سندھ کی قدیم تہذیب اور مذہب کے بارے میں موہن جو ڈارو اور ہڑپا میں ہونے والی کھدائی سے تصویروں کی شکل میں کچھ اشارے اور نشانات ضرور ملتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ملنے والی تحریروں کو ابھی تک پڑھا نہیں جا سکا ہے اس لیے سندھو گھاٹی کی تہذیب اور مذہب کے بارے میں ابھی تک کوئی تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اس دور کی لکھاوٹ آج بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے جسے دنیا بھر میں بہت سے ماہرین سمجھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ابھی تک صرف یہ جانا جا سکا ہے کہ یہ تحریر دائیں سے بائیں لکھی جاتی تھی۔

ہندو دھرم دنیا کے باقی سبھی مذہبوں سے کئی معنوں میں الگ ہے۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اور مذہبوں کی طرح اس کا کوئی بانی نہیں ہے۔ یعنی کسی

سندھو گھاٹی سے ملنے والی تصویریں اور تحریریں

ایک مذہبی شخصیت نے اس کی بنیاد نہیں ڈالی ہے۔ بہت سے فلسفی تو اسے مذہب سے زیادہ رہن سہن اور زندگی گزارنے کا طریقہ مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دھرم یا مذہب نہیں بلکہ ایک تہذیب ہے۔ فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے لفظ ہندو، اس مذہب کی قدیم کتابوں مثلاً ویدوں، اپنشدوں، پرانوں اور بھگوت گیتا میں بھی کہیں نہیں ملتا۔ یہ لفظ علما کے مطابق فارسی اور عربی زبانوں سے آیا ہے جو سندھ کے عظیم دریا کو ہند اور اس کی طرف رہنے والوں کو ہندو بولتے تھے۔ اسی طرح یونانی زبان والے یہاں کے لوگوں کو انڈو اور چینی والے شین دو کہتے تھے۔ کئی ماہرین اس مذہب کو بہت سے ریت رواجوں کا مجموعہ مانتے ہیں۔ جہاں تک خدا کے تصور کی بات ہے تو بہت سے ہندو ایک خدا میں یقین رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ خدا کو کئی شکلوں میں مانتے ہیں۔ کل ملا کر اس مذہب میں روحانیت کا بڑا دخل ہے۔

ہندو بہت سے دیوی دیوتاؤں کو مانتے اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم برہما، وشنو اور شو ہیں جنھیں تری مورتی کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ، ماں سرسوتی، گنیش جی، لکشمی، پاروتی، درگا، ماں کالی اور گنیش جی کی بھی پوجا ہوتی ہے۔ راجہ رام چندر جی جنھیں ہندو بھگوان رام کہتے ہیں وشنو بھگوان کے ساتویں اوتار تھے اور ان کی ہندو بے حد قدر کرتے ہیں۔ اسی طرح کرشن جی مہاراج کو بھی ہندو بھگوان کرشن کہتے ہیں جو وشنو بھگوان کے آٹھویں اوتار مانے جاتے ہیں۔ رام اور کرشن جی کی پوجا ہندوستان میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے ان سبھی محترم دیوی دیوتاؤں سے بہت سی سبق آموز اور طویل کہانیاں منسوب ہیں جنھیں بیان کرنے کے لیے کئی کتابیں بھی کم ہوں گی۔ رام چندر جی سے متعلق طویل کہانی رامائن کو ہندوستانی تہذیب کا مشہور ترین رزمیہ Epic مانا جاتا ہے۔ یہ سچائی کے راستے پر چلنے والے اور وعدے کے پابند رام چندر جی اور ان کی دھرم پتنی سیتا جی کے بن باس (جنگل میں زندگی گزارنے) کا اور اس دوران لنکا کے ظالم راجہ راون کے ساتھ ان کی جنگ کا طویل قصہ ہے

▲ برہما، وشنو اور شو جی کی تری مورتی

جسے آج ہزاروں سال بعد بھی دسہرے سے پہلے کے دنوں میں ہونے والی رام لیلاؤں میں دوہرایا جاتا ہے اور ان رام لیلاؤں کو ہر سال کروڑوں ہندوستانی جوش اور عقیدت سے دیکھنے جاتے ہیں۔ اس قصے کے مطابق رام چندر جی نے دس سر والے راون کو اپنے بھگت ہنومان جی کی مدد سے لنکا کو جلانے کے بعد قتل کر کے سیتا جی کو اس کی قید سے چھڑا لیا تھا جنھیں وہ دھوکے سے اٹھا کر لے گیا تھا۔ فتح کے بعد جب وہ اپنی راجدھانی ایودھیا واپس آئے تو رعایا نے دیپ جلا کر ان کا سواگت کیا جس کی یاد میں آج بھی دیوالی منائی جاتی ہے۔ اس قصے کو پہلے سنسکرت میں بالمیکی جی نے لکھا تھا اور بہت بعد میں مہا کوی تلسی داس نے اسے مغلوں کے زمانے میں عام بھاشا میں منظوم کیا۔

اسی طرح کرشن جی کے ساتھ کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ منسوب ہے جس کا قصہ مہابھارت کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ ہندوستانی تہذیب کا دوسرا بڑا رزمیہ ہے۔ یہ رامائن سے بھی زیادہ

▲ رام چندر جی کے ہاتھوں دس سروں والے راون کا ودھ

طویل اور پیچیدہ قصہ ہے جسے بہت سے قصوں کا مجموعہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن ہزاروں سال پرانے ان قصوں میں عقل و دانش اور اخلاقیات کے ایسے سبق ملتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس قصے کو ویدویاس نے تحریر کیا جو خود بھی اس کے ایک اہم کردار تھے۔ قصے کے مطابق جب پانچوں پانڈوؤں کی اپنے سوتیلے بھائیوں کوروؤں سے لڑائی ہوئی تو بہادر پانڈو ارجن اپنے ہی بھائیوں پر ہتھیار اٹھانے سے ہچکچانے لگے۔ کرشن جی ارجن کے سارتھی تھے، یعنی ان کا رتھ ہانک رہے تھے۔ انھوں نے ارجن کو ہچکچاتے دیکھ کر بہت سی گیان دھیان کی باتیں بتائیں اور نصیحتیں کیں۔ کرشن جی کے ان ارشادات کو ویدویاس نے ایک الگ باب میں تحریر کیا ہے جسے آج دنیا بھگوت گیتا کے نام سے جانتی ہے اور جسے دنیا کے عظیم مذہبی صحیفوں میں گنا جاتا ہے۔ جس طرح مسلمان قران مجید کا اور عیسائی و یہودی انجیل، توریت اور زبور کا احترام کرتے ہیں اسی طرح ہندو بھی گیتا کو بے حد مقدس مانتے ہیں۔ یہ روحانیت اور فلسفے کی بڑی اہم کتاب ہے۔ جس میں انسان کو نتیجے اور صلے کی پرواہ کیے بغیر اچھا عمل کرنے کی پرزور نصیحت کی گئی ہے۔

ہندو دھرم جنوبی ایشیا کا خاص مذہب ہے اور ہندوستان و نیپال میں اکثریت اسی مذہب کو مانتی ہے۔ ہندوستان سے یہ مذہب قدیم زمانے میں برما، سری لنکا، تھائی لینڈ، لاؤس، کمبوڈیا، ملیشیا، انڈونیشیا تک پھیل گیا تھا۔ ان سبھی ملکوں میں ہندو اچھی خاصی تعداد میں رہتے ہیں۔ کمبوڈیا کے انگ کورواٹ میں 12ویں صدی میں بنا گیا ہندو مندر آج بھی موجود ہے جسے دنیا کی سب سے بڑی عبادت گاہ مانا جاتا ہے۔ یہ مندر 8لاکھ 20ہزار مربع میٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا شری رنگا ناتھ سوامی مندر، سری رنگم تریچی، تمل ناڈو میں ہے جس کا رقبہ 6لاکھ 31ہزار مربع میٹر ہے۔

ہندو دھرم میں تیرتھ استھانوں (زیارت گاہوں) کی بڑی اہمیت ہے۔ ان میں ہمالیائی چار دھام مشہور ہیں۔ یہ ہیں بدری ناتھ، کیدار ناتھ، گنگوتری اور یمنوتری۔ ان کے علاوہ کاشی (وارانسی) پریاگ (الہ آباد) ہردوار۔ رشی کیش، متھرا۔ ورنداون، اور ایودھیا (فیض آباد) بھی اہم تیرتھ استھان ہیں۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا میلہ یا اجتماع کمبھ میلے کے نام سے مشہور ہے جو ہر بارہ سال بعد چار اہم تیرتھ استھانوں الہ آباد، ہردوار، ناسک اور اجین میں باری باری ہوتا ہے۔ کمبھ کا مطلب ہے گھڑا اور اس سے یہ قصہ منسوب ہے کہ کسی زمانے میں دیوتاؤں کی

مہابھارت کی لڑائی میں کرشن جی، ارجن کو اپدیش دیتے ہوئے ◄

طاقت چلی گئی تھی جسے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے برہما اور شو نے انھیں دودھ کے سمندر اکشیر ساگر کو متھ کر اس سے امرت یعنی آب حیات نکالنے کی صلاح دی جسے پی کر کوئی بھی امر ہو جاتا ہے۔ دیوتاؤں نے اپنے دشمنوں اسُروں سے سمندر کو متھنے کے لیے عارضی صلح کر لی جس میں طے پایا کہ جو کچھ بھی اس منتھن سے نکلے گا اسے وہ آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔ مگر جب منتھن سے امرت نکلا تو اسُروں کی نیت بدل گئی اور وہ امرت کا پورا گھڑا چھیننے پر اتر آئے۔ تب آسمان میں دیوتاؤں اور اسُروں کی جنگ چھڑ گئی جو بارہ دن تک چلی جن میں ہر دن ایک سال کے برابر تھا۔ تب وشنو جی آئے اور گھڑا اپنے قبضے میں لے کر اڑ گئے۔ اس دوران گھڑا چھلکنے سے امرت کی کچھ بوندیں ناسک، اجین، پریاگ اور ہردوار میں گر گئیں۔ اسی واقعے کی یاد میں ہر بارہ سال بعد ان مقامات پر ایک کے بعد ایک کمبھ میلہ ہوتا آرہا ہے۔

اس میلے کو دنیا کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع مانا جاتا ہے۔ الہ آباد کے پریاگ میں پچھلے سال جو کمبھ میلہ ہوا تھا اس میں 10 فروری 2013 کو ایک کروڑ 20 لاکھ ہندوؤں نے شرکت کی تھی اور 55 دنوں کے پورے میلے میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 12 کروڑ زائرین نے شرکت کی۔ یہ انسانی تاریخ کا اب تک کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع ثابت ہوا۔ کمبھ میلے کے ان چاروں مقامات پر باری باری اردھ کمبھ میلہ بھی ہوتا ہے جو ہر چھ سال بعد منعقد کیا جاتا ہے۔ ان میں بھی زائرین بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

ہندو دھرم میں روحانی پاکیزگی اور گیان دھیان پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کے لیے روزے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ ہندوؤں کے روزے جنھیں برت کہا جاتا ہے کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ وہ جن میں اناج نہیں کھایا جاتا۔ کچھ ایسے جن میں صرف پانی پیا جاسکتا ہے۔ اور کچھ وہ جن میں کچھ بھی کھایا پیا نہیں جاتا۔ کچھ دن ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں گوشت کھانے کی ممانعت ہے۔ ہر موقع کی مناسبت سے الگ طرح کے برت رکھے جاتے ہیں۔ گیان

▲ پریاگ میں کمبھ میلے کا ایک منظر

دھیان کے لیے کچھ لوگ مون برت بھی رکھتے ہیں جس میں زبان سے کچھ بھی نہیں بولا جاتا۔ زیادہ تر ہندو گوشت کھانے سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ کچھ تو لہسن اور پیاز بھی نہیں کھاتے۔ لیکن کھانے پینے میں کسی طرح کا پرہیز نہ کرنے والے ہندوؤں کی بھی خاصی تعداد ہے۔

مذہب اسلام اور دوسرے کئی مذہبوں کی طرح ہندو دھرم میں بھی جنت اور دوزخ کا تصور پایا جاتا ہے جس کے مطابق نیک انسان جنت یا سورگ میں جائیں گے اور گناہگار دوزخ یعنی نرک میں جلیں گے۔ اس دھرم میں ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لینے اور مکمل نجات یا موکش ملنے تک جنموں کا یہ چکر چلتے رہنے کا بھی تصور ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ہر شخص کو اپنے گناہوں یا پاپ کی سزا اگلے جنم میں بھگتنی پڑتی ہے۔

ہندو دھرم اور اس کے ماننے والوں میں ایک خوبی یہ ہے کہ کٹّر پن بہت ہی کم پایا جاتا ہے اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ میل جول سے رہنے کا بھی ان میں پورا جذبہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈیڑھ دو ہزار سال پہلے باہر سے عیسائی اس ملک میں آئے تو انھیں بھی قبول کر لیا گیا اور ایک ہزار سال پہلے مسلمان یہاں اپنا مذہب لائے تو اس کی بھی ہندوؤں کی طرف سے کوئی مخالفت نہیں ہوئی۔ سیکولر ازم یا سرو دھرم سمبھاؤ ہندو دھرم اور ہندوستانی تہذیب کی خاص روایت ہے جو اکثر ہندوؤں کی سوچ میں آج بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں کٹّر پن اور مذہبی بھید بھاؤ پیدا کرنے کی بہت سی کوششیں ہوئی ہیں لیکن ہندوؤں کی اکثریت آج بھی دوسرے مذہبوں کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتی ہے۔ □

ایس جی حیدر

مکہ میں پیدا ہونے والا

عظیم ہندوستانی رہنما

سوا سو سال سے اوپر ہوئے، مکّہ مکرمہ میں آباد ایک ہندوستانی اوران کی عرب بیوی کے یہاں ان کا بیٹا محی الدین احمد پیدا ہوا جس کا ایک نام فیروز بخت بھی تھا۔

دوسرے بچوں کی طرح اسے بھی بچپن میں گیس بھرے رنگین غبارے اچھے لگتے تھے اور وہ بھی تیرنے اور کھیلنے کودنے کا شوقین تھا۔ اس کا حافظہ بہت تیز تھا اور معلومات حاصل کرنے، پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی اس کی خواہش ہمیشہ بڑھتی ہی گئی۔ دوسرے بچوں کی طرح اسکول جانے، اپنی عمر کے بچوں کے ساتھ رہنے، آزادی کے ساتھ کھلی جگہوں پر کھیلنے اور بچوں جیسی شرارتیں کرنے کو اس کا بھی جی چاہتا تھا۔ لیکن اسے یہ سب کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے والد اسے ایک پکا مذہبی عالم بنانا چاہتے تھے اور اس لیے اس طرح کی فضولیات میں اسے وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر یہ قدرت کا عجب کھیل تھا کہ اس طرح کی قید میں رہنے والا بچہ آگے چل کر آزاد کے نام سے مشہور ہوا اور اس شخصیت کو ملک کے عظیم رہنماؤں میں جگہ ملی۔

میاں آزاد کے پاس بہت ساری کتابیں تھیں اور قابل استاد تھے جو انھیں عربی، فارسی، اردو اور مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی (حساب) طب (یونانی طریقہ علاج) خطاطی (خوش نویسی) اور دوسرے علوم سکھاتے تھے۔ لیکن انگریزی سیکھنے کی انھیں بالکل اجازت نہیں تھی کیونکہ یہ 'قابلِ نفرت' فرنگیوں (انگریزوں) کی زبان تھی۔ خوش قسمتی سے انھیں انگریزی جاننے والے ایک صاحب مل گئے جن سے انھوں نے اے بی سی ڈی سیکھی اور پھر پہلی کتاب پڑھی۔ اس کے بعد بہت جلدی (ذہین تو تھے ہی) ڈکشنری کی مدد سے وہ 'اخبار' اور 'بائبل' بھی پڑھنے لگے۔

چراغ کی دھیمی روشنی میں وہ رات کو دیر تک کبھی کبھی صبح ہو جانے تک پڑھا کرتے تھے۔ اس شوق میں بعض اوقات وہ کھانا کھانا بھی بھول جاتے تھے۔ اکثر اپنے پیسے وہ کتابیں خریدنے میں صرف کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں ''لوگ اپنا بچپن کھیل، کود میں گزارتے ہیں لیکن بارہ تیرہ کی عمر میں کوئی کتاب اٹھا کر میں گھر کے ایک کونے میں جا بیٹھتا تھا۔ تاکہ لوگ مجھے نہ دیکھ سکیں۔''

ان کی تحریر کے بارے میں ایک بڑے عالم نے لکھا ''انگریزی زبان کے مشہور مصنف سمرسیٹ ماہم کی طرح انھوں نے لکھنا اسی طرح سیکھا جیسے مچھلی کے بچے تیرنا یا انسان کے بچے سانس لینا سیکھتے ہیں۔''

ایک انوکھی بات ان میں یہ رہی کہ بہت سے معاملات میں وہ

ہمیشہ اپنی عمر سے بہت آگے کے کام کرتے رہے۔ انھوں نے ایک لائبریری ، ایک ریڈنگ روم اور بحث ومباحثے کی ایک سوسائٹی قائم کر رکھی تھی جب کہ ان کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ جب وہ پندرہ سال کے تھے تو اپنے سے تقریباً دوگنی عمر کے طالب علموں کو پڑھانے لگے تھے۔ تیرہ سے اٹھارہ سال کی عمر میں وہ کئی رسالوں کے ایڈیٹر رہے اور سولہ سال کے تھے جب انھوں نے ایک اعلیٰ پائے کا رسالہ خود نکالنا شروع کردیا۔ 1923 میں جب وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر چنے گئے تو جواہر لال نہرو کے کہنے کے مطابق وہ کانگریس کے سب سے کم عمر صدر تھے۔ صرف 35 سال کے!

1904 میں لاہور کے لوگوں نے انھیں قومی سطح کے ایک اہم جلسے کو خطاب کرنے کے لیے بلایا۔ ان کے استقبال کے لیے ہزاروں کی بھیڑ لاہور اسٹیشن پر جمع تھی۔ لیکن جب ایک دبلا پتلا گورا چٹا سولہ سال کا نوجوان جس کے ابھی داڑھی بھی نہیں نکلی تھی، فرسٹ کلاس کے ڈبے سے نکلا تو اول تو ان کو یقین ہی نہیں آیا کہ یہ نوجوان وہی شخص ہے جسے انھوں نے ایک بڑے عالم کے طور پر مشہور ہونے کی وجہ سے بلایا تھا۔ انھیں بڑی حیرت اور کچھ مایوسی بھی ہوئی۔ لیکن جب ایک لڑکے نے ڈھائی گھنٹے سے زیادہ لمبی یادگار تقریر کی تو سرسٹھ سال کے بوڑھے، جلسہ کے صدر، مشہور شاعر اور عالم، مولانا حالی نے انھیں گلے سے لگاتے ہوئے کہا ''عزیز صاحبزادے! مجھے اپنی آنکھوں اور کانوں

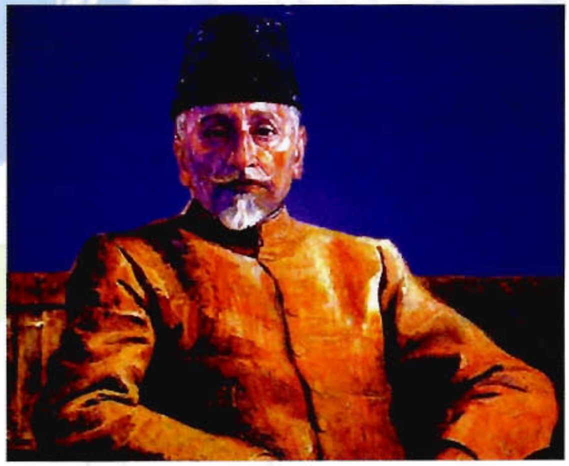

پر تو بہر حال یقین کرنا پڑ رہا ہے، لیکن حیرت مجھے اب بھی ہے۔''

اسی طرح 1910 کے قریب یہ شرمیلا سا نوجوان جو اپنا فوٹو چھپوانے کے لیے بھی آمادہ نہیں تھا، کمزور صحت لیکن پختہ ارادے والا، سلگتے دل لیکن ٹھنڈے دماغ والا، نفاست کا عادی لیکن فیصلے کا اٹل، بلا کا ذہن مگر نرم مزاج، عظیم ہندوستانی سپاہیوں کی اُس فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار تھا جو قوم کو آزادی کی طرف لے جانے والی تھی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ وہ کتاب کا کیڑا تھے۔ سردیوں کے موسم، تنہائی، موسیقی اور عمدہ چائے کے وہ رسیا تھے۔ وہ صبح بہت سویرے اٹھنے والے اور وقت کے پابند تھے۔ اپنے پیارے وطن اور اس کے لوگوں کی خاطر وہ ہر تکلیف کو برداشت کرنے اور ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔

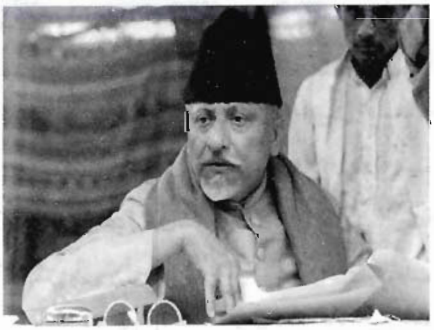

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم کس عظیم شخصیت کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے جن کے یوم ولادت پر ہر سال 11 نومبر کو یوم تعلیم منایا جاتا ہے۔ وہ ملک کے پہلے وزیر تعلیم تھے اور 22 فروری 1958 کو 70 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا آزاد محسوس کرتے تھے کہ 1857 کی جنگ آزادی کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر ہندوستان کے مسلمان اپنے دوسرے بھائیوں

سے اکثر معاملات میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان پر اب ہمیشہ انگریزوں کا راج رہے گا اس لیے ان کے خلاف لڑنا بے کار ہے۔ لیکن مولانا اخبار میں مضمون لکھ لکھ کر انھیں یہ بتاتے رہے کہ غیر ملکی حکومت کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا نہ صرف ایک قومی تقاضہ ہے بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اعلان کیا ''مسلمانوں کے لیے یہ آسان ہے کہ وہ سانپوں اور بچھوؤں کے ساتھ امن سے رہیں... اور جنگلی جانوروں کے ساتھ امن کی زندگی گزاریں لیکن انگریزوں سے صلح کی بھیک مانگنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔'' اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے انھوں نے 1912 میں اپنا مشہور ہفتہ وار اخبار الہلال نکالا۔

تعجب ہوتا ہے کہ یہ اخبار ہندوستان اور اس کے باہر کتنی جلدی مقبول ہوگیا۔ چند مہینوں میں الہلال کی چھبیس ہزار کاپیاں نکلنے لگیں۔ لوگ اکٹھے ہو ہو کر جماعت کے سبق کی طرح اخبار کا ایک ایک لفظ پڑھتے یا سنتے تھے۔ بہت جلد اخبار نے اپنے پڑھنے والوں میں بیداری کی ایک لہر سی دوڑا دی، نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ دوسروں میں بھی، کیوں کہ اس زمانے میں اردو پڑھنے والے بہت لوگ تھے۔ پریشان ہو کر حکومت نے پہلے دو ہزار روپے کی ضمانت مانگی اور ضبط کر لی۔ پھر دس ہزار روپے کی ضمانت مانگی اور وہ بھی ضبط کر لی۔ آخر میں مولانا کو حکومت کے خلاف لکھنے کے الزام میں بنگال سے نکال دیا۔ بعد میں انھیں بہار میں رانچی کے مقام پر چار سال تک قید رکھا گیا۔

گاندھی جی نے جو مولانا آزاد کی زوردار تحریروں سے واقف تھے، رانچی جیل میں ان سے ملاقات کرنی چاہی لیکن حکومت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ جنوری 1920 میں اپنی رہائی کے فوراً بعد مولانا آزاد دہلی میں حکیم اجمل خاں کے مکان پر گاندھی جی سے ملے۔ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے بعد میں لکھا: ''آج تک... جیسے کہ ہم نے (مولانا اور گاندھی جی نے) ساتھ رہ کر زندگی گزاری ہو... ہم میں اختلاف بھی ہوتا تھا... لیکن ہم الگ الگ راستوں پر کبھی نہیں چلے... دن بہ دن ان پر میرا اعتماد بڑھتا ہی چلا گیا۔''

دوسری طرف گاندھی جی نے کہا ''مجھے مولانا کے ساتھ 1920 سے کام کرنے کا موقع ملا۔ وطن سے ان کی محبت اتنی ہی پختہ ہے جتنا اسلام پر ان کا اعتقاد۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے سب سے بڑے رہنماؤں میں سے ہیں۔ اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔''

مولانا شروع سے یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان کے لوگ صرف اسی وقت ایک بڑی قوم بن سکتے ہیں جبکہ ان میں اتحاد ہو۔ گاندھی جی کی طرح ان کے دل کو بھی کوئی چیز اتنی عزیز نہیں تھی، گاندھی جی ہی کی طرح مولانا آزاد بھی قومی اتحاد کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تھے۔

1923 میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں اپنے پہلے صدارتی خطبے میں انھوں نے کہا ''آج اگر کوئی فرشتہ آسمان سے اتر کر دہلی کے قطب مینار کی بلندی سے اعلان کرے کہ ہندوستان کو چوبیس گھنٹے کے اندر سوراجیہ مل جائے گا بشرط یہ کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کا خیال چھوڑ دے تو میں سوراجیہ کی بجائے ہندو مسلم اتحاد کو قبول کروں گا۔ کیونکہ اگر سوراجیہ ملنے میں دیر ہوئی تو صرف ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن اگر اتحاد نہ ہو سکا تو یہ دنیا کی پوری انسانیت کا نقصان ہوگا۔''

بدقسمتی سے کچھ لوگ تھے جو یہ اتحاد نہیں چاہتے تھے۔ یہ لوگ زندگی بھر مولانا آزاد کی شدید مخالفت کرتے رہے۔ ان لوگوں نے ان کے طرح طرح کے نام رکھے۔ مذاق اڑایا، برا بھلا کہا اور طعنے دیئے۔ لیکن مولانا نے کبھی ان کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا۔ ایسے تھے ہمارے مولانا ابوالکلام آزاد جن کی شخصیت آج ہمارے لیے کسی روشن مینار سے کم نہیں۔ ◻

ماخذ: 'یاد کیجیے: ہمارے رہنما' حصہ اول، پبلشرز قومی اردو کونسل، چلڈرن بک ٹرسٹ اور بچوں کا ادبی ٹرسٹ۔ 1999، مترجم: اقبال مہدی زیدی

ادارہ

دنیا ایک عجائب خانہ

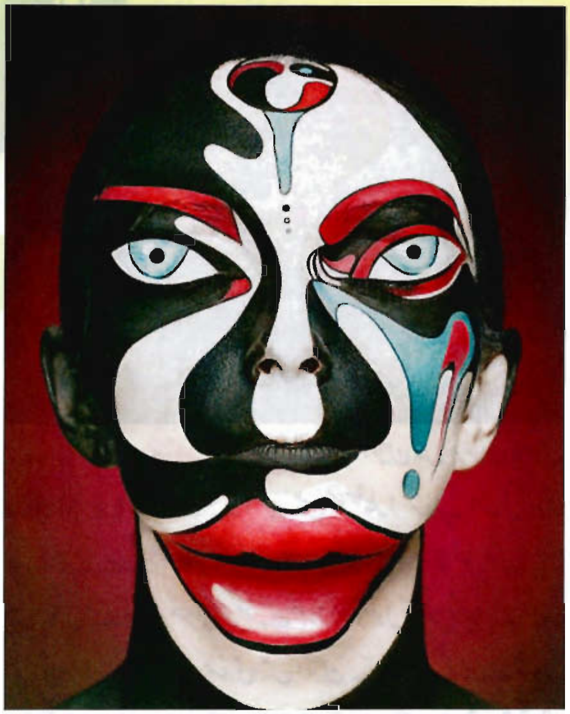

آلو اور انگریز: انگریزوں کو بھنا ہوا آلو بہت پسند ہے۔ لندن میں پچھلے دنوں ایک ایسی ٹیکسی دیکھی گئی جس کی چھت پر ایک کافی بڑا بیکری میں بیک کیا گیا بھاپ دیتا آلو رکھا ہوا تھا۔ یہ لندن، مانچسٹر، برمنگھم، لیڈز اور برسٹل میں ایک کمپنی کی اشتہاری مہم کا حصہ تھا۔ اس ٹیکسی میں سفر کرنے والے گرما گرم بیکڈ آلو کا لطف بھی اٹھا سکتے تھے۔

ایک آدمی دو چھرے: یہ کمال ہے ماسکو کی ایک میک اپ آرٹسٹ ویلیر یا کستان کا جس نے آئل پینٹ کے استعمال سے انسانی چہرے پر ایک اور چہرہ بنا دیا ہے۔ یہ فنکارہ اس طرح کئی انسانوں کو فلموں کے چلتے پھرتے کارٹون کرداروں میں بدل چکی ہے۔

3سال کی ذھانت: برطانیہ کا تین سالہ شیرون سیرابی ذہانت میں آئینسٹائن اور اسٹیفن ہاکنس کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ وہ 136 آئی کیو لیول کی بنیاد پر ذہین افراد کے سب سے بڑے ادارے مینسا MENSA کا ممبر بن چکا ہے۔ اسٹین فورڈ بائی نیٹ کے 45 منٹ کے ٹیسٹ میں اس نے 160 کا اسکور حاصل کیا اور 99.99 فیصد کا درجہ پایا ہے۔

ایک اور نمونہ: روس کے ہی ایک اور آرٹسٹ کو انسانی چہروں کی تصویروں کو ماڈرن آرٹ کا نمونہ بنانے کا شوق ہے۔ ان کا نام ہے الیگزینڈر۔ ذرا یہ چہرہ دیکھیے۔

اسپین میں انسانی مینار: میڈرڈ، اسپین میں ہر سال لامرس La Merce میلہ ہوتا ہے جس میں کاسٹیلرز گروپ انسانی مینار بنانے کا حیرت انگیز مظاہرہ کرتا ہے۔ اس مینار کی بنیاد طاقتور لوگ بنتے ہیں۔ اس کے بعد ہر منزل پر کم سے کم وزن والوں کو کھڑا کیا جاتا ہے۔ اس کی روایت 18 ویں صدی میں اسپین کے شہر تاراگونا سے شروع ہوئی تھی۔ ہمارے یہاں گنیش جی میلے پر ممبئی میں بھی ایسے تماشے گلی گلی میں ہوتے ہیں جن میں لوگ بڑے جوش وخروش سے حصہ لیتے ہیں۔

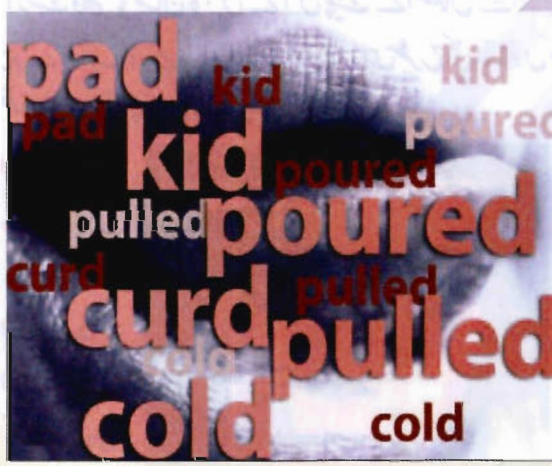

دنیا کا مشکل ترین جملہ: اردو کے 'چار کچرے کچے چاچا چار کچرے پکے...' انگریزی میں بھی کئی ٹنگ ٹوسٹر Tongue twister موجود ہیں۔ حال ہی میں انگریزی کے چھ لفظوں سے ایک ٹنگ ٹوسٹر وجود میں آیا ہے جسے امریکی انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی نے دنیا کا مشکل ترین جملہ قرار دیا ہے جس کی بار بار ادائیگی بے حد مشکل ہے۔ ویسے اس جملے Pad Kid Poured Curd Pulled Cold کا کوئی خاص مطلب نہیں ہے۔ امریکہ کے میسا چیوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کی ریسرچر ڈاکٹر اسٹیفنی شیٹک کا کہنا ہے کہ کئی لوگوں پر تجربہ کیا گیا مگر کوئی بھی یہ جملہ دس مرتبہ روانی سے بولنے میں کامیاب نہیں ہوا اور اس کے لیے رکھا گیا انعام بھی رکھا ہی رہا۔ کیا آپ کوشش کریں گے؟

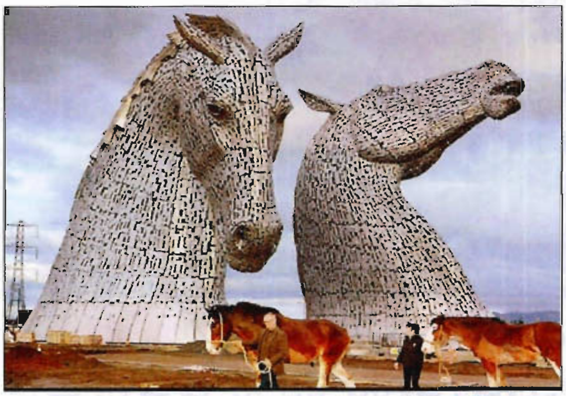

گھوڑوں کے مجسموں کی نمائش: پچھلے دنوں اسکاٹ لینڈ میں دو گھوڑوں کے سو فٹ اونچے مجسمے نمائش کے لیے کھول دیے گئے۔ انھیں بنانے پر 43 ملین پاؤنڈ خرچ ہوئے۔ چھ سو ٹن وزنی مجسموں کو بنانے کے بعد ان پر ایک خاص میٹیریل کی تہہ جمائی گئی تاکہ یہ موسم کے اثر سے بچے رہیں۔ ان مجسموں کو بنانے کا مقصد اسکاٹ لینڈ میں ٹورزم کو بڑھاوا دینا ہے۔

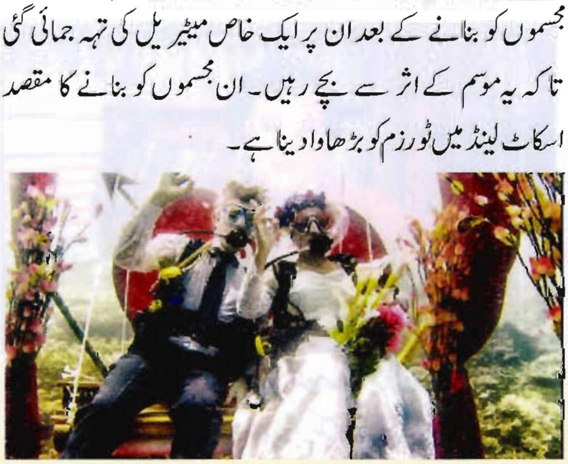

پانی میں شادی: پڑوسی ملک مالدیپ کے ایک تیراک جوڑے نے شادی کے لیے وہی کیا جو کرنا چاہیے تھا۔ شادی کا جوڑا پہنا تیراکی کے ماسک لگائے اور جھیل میں غوطہ لگا کر 36 فٹ گہرے پانی میں شادی کر لی!

پانی سے شکار: انڈونیشیا اور ملیشیا میں ایک ایسی ذہین مچھلی آرچرفش Archer Fish پائی جاتی ہے جو اپنے منہ میں پانی بھر کر شکار کرتی ہے۔ جیسے ہی کوئی کیڑا پتنگا رینگتا یا اڑتا دکھائی دیتا ہے یہ واٹر گن کی طرح پانی کو تیزی سے اس پر مارتی ہے اور اسے نیچے گرا کر کھا جاتی ہے۔

روشن دستانے: ہیوسٹن امریکہ میں پچھلے دنوں سائیکل سواروں کے لیے ایسے دستانے بازار میں لائے گئے جن سے ٹریفک کے اشارے روشنی کی شکل میں دیے جا سکتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر پیچھے آنے والی گاڑیوں ڈرائیور جان سکتے ہیں کہ سائیکل سوار اب کیا کرنے والا ہے۔

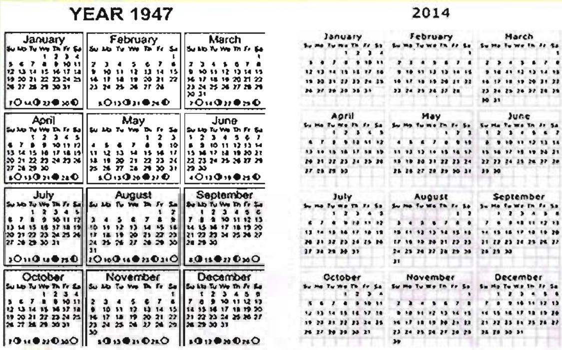

تاریخ خود کو دوھراتی ھے: کیا آپ جانتے ہیں کہ اس سال کا کیلینڈر پوری طرح 1947 کے کیلینڈر سے ملتا جلتا ہے۔

سورج کے رنگ: امریکی خلائی ادارے ناسا NASA نے سورج کی ایک ایسی تصویر جاری کردی ہے جس میں انسانی آنکھ پہلی بار سورج کے رنگ دیکھ سکتی ہے۔ یہ خوب صورت تصویر ناسا کی Solar Dynamics Observatory نے بنائی ہے۔ عام کیمرے سے لی گئی تصویروں میں صرف پیلا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن اس تصویر میں سفید روشنی کے تمام رنگ صاف نظر آتے ہیں۔

ٹائلٹ آرٹ: جی نہیں یہ کوئی دوربین نہیں ٹائلٹ پیپر رول کے گتے سے بنائے گئے آرٹ کے خوب صورت سجاوٹی نمونے ہیں جنھیں فرانس کی انستاشیا ایلیے نے تیار کیا ہے۔ آپ بھی کچھ ایسا کر کے دیکھیں گے؟ □

عمران احمد عندلیب

پیاری بیٹی

میری ننّھی مری منّی مری پیاری بیٹی
اپنے ماں باپ کی دادا کی دلاری بیٹی

تیرے آنے سے مرے گھر میں بہار آئی ہے
بھر کے دامن میں گلابوں کی کلی لائی ہے
شاخِ طوبیٰ پہ پرندوں نے ترانہ چھیڑا
شب کی دہلیز پہ بلبل نے فسانہ چھیڑا
چاندنی رات میں تاروں نے دعائیں دی ہیں
شوخ رنگین نظاروں نے دعائیں دی ہیں
چاند کہتا ہے اندھیرے میں چمکتے رہنا
پھول کہتا ہے سرِ شام مہکتے رہنا
بوئے گل یوں ترے دامن سے لپٹ جاتی ہے
دل کی دنیا ترے قدموں میں سمٹ جاتی ہے

میری ننّھی مری منّی مری پیاری بیٹی
اپنے ماں باپ کی دادا کی دلاری بیٹی

◆ ڈاکٹر عمران احمد عندلیب شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی 110025

عطیہ پروین

دسہری آم

پیارے بچو! یہ تو تم کو معلوم ہی ہوگا لالچ کتنی بری بلا ہے۔ جہاں کسی کے دل میں لالچ آئی وہاں وہ ایک اچھے آدمی سے دھیرے دھیرے برا آدمی بننے لگا۔ کسی گاؤں میں ایک بوڑھی عورت رہا کرتی تھی۔ اب میں اس گاؤں کا نام تو نہیں جانتی مگر یہ کہانی گاؤں کی ہی ہے اور میرے ابّا نے مجھے سنائی تھی جب ایک روز میں نے لالچ کے مارے اپنے حصے میں ملے چار بہترین دسہری آموں میں اپنے بھائی کے حصے کے چار آموں میں سے ایک آم لے لیا تھا اور چار آموں کی جگہ پانچ آم دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ ایک تو چوری دوسرے لالچ۔ ابا نے یہ بات پکڑ لی۔ ڈانٹا تو نہیں مگر یہ کہانی مجھے ضرور سنائی، ساتھ ہی مجھے کہانی میں پھنسا کر وہ پانچواں آم میرے آموں کے ڈھیر سے نکال کر پھر بھائی کے آموں میں شامل کر دیا۔

''لالچ بہت بری ہوتی ہے بیٹا یہ انسان کو ذلیل بھی کرتی ہے اور کسی نہ کسی بہانے نقصان بھی کراتی ہے اوہ! ہو...ایک کہانی یاد آگئی آؤ تمہیں سنادوں ورنہ بھول جاؤں گا۔'' میں خوش ہوگئی اور آم کھانا بھول کر ابا سے کہانی سننے لگی۔

ابا نے کہنا شروع کیا ''کسی گاؤں میں ایک بوڑھی عورت رہا کرتی تھی۔ یوں تو وہ بہت اچھی تھی مگر لالچی بہت زیادہ تھی۔ اس کے پڑوس میں ایک آدمی رہا کرتا تھا سمجھ لو اس کا نام جگو تھا۔ جگو کا گھر بھی

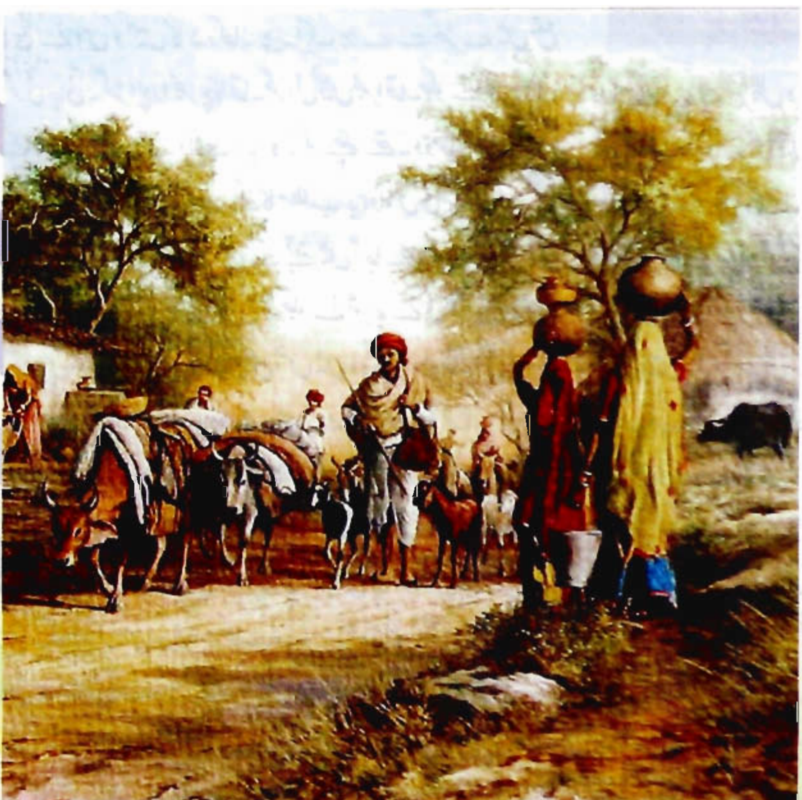

بوڑھی عورت کے گھر کی طرح کچا تھا۔ بارش سے پہلے وہ اپنے گھر کی دیواروں اور چھتوں کو مٹی سے خوب لیپ پوت لیتا تھا تا کہ بارش کا پانی زیادہ نقصان نہ پہونچا سکے۔ دروازے کے آگے ایک چھپر پڑا تھا جس میں اس کے جانور باندھے جاتے تھے۔ ایسا ہی گھر بوڑھی عورت کا بھی تھا۔ یہ دونوں گھر بالکل ملے ہوئے تھے کہ اگر بیچ کی دیوار نہ ہوتی تو ایک ہی گھر معلوم ہوتا۔ بوڑھی عورت اپنے گھر میں اکیلی رہتی تھی اس کا میاں مر چکا تھا بچہ کوئی تھا نہیں۔ سمجھو، نہ کوئی آگے نہ کوئی پیچھے۔ مگر لالچ بوڑھی کے دل میں اتنی کہ اللہ کی پناہ۔ وہ چاہتی تھی جگو کا گھر بھی کسی طرح اس کے ہاتھ آجائے اور اس گھر میں وہ اپنی ڈھیر ساری مرغیاں اور بکریاں رکھ سکے کیونکہ یہی سب کچھ اس کی زندگی کا سہارا تھا۔ مرغیوں کے انڈے بیچتی، مرغے بیچتی، بکری اور بھینس کا دودھ بیچتی بکرے بڑے ہوجاتے تو اچھے داموں پر انھیں بھی بیچ دیتی۔ خوب پیسہ ملتا۔ کوئی اور ہوتا تو آرام سے زندگی کے دن گزارتا۔ مگر لالچ نے اس کو کہیں کا نہ رکھا۔ پیسہ ایک بڑے سے گھڑے میں جمع کرتی جاتی۔ گھڑا پورا بھر چکا تھا۔ مگر دل نہیں بھرا تھا۔ جگو کے گھر پر اس کے دانت لگے تھے۔ دانت زیادہ تر گر چکے تھے۔ دو چار چھ جو باقی تھے سمجھو وہ لگے تھے۔ دانت لگنے کا مطلب یہ ہوا اس کی نیت خراب تھی اور وہ چاہتی تھی جگو کا مکان اس کے قبضے میں آجائے۔ ایک دن اس کی منہ مانگی مراد بر آئی، وہ اس طرح کہ جگو نے شہر جانے کی ٹھان لی۔ اس کے پاس بس ایک دو بیگھ زمین تھی جس میں وہ کھیتی کرتا تھا۔ اتنی کم کھیتی سے اس کا پورا نہ پڑتا اور وہ ہمیشہ پیسے سے پریشان رہا کرتا۔ اس نے سوچا جس طرح اور لوگ شہر جا کر محنت مزدوری کر کے کسی دوکان یا فیکٹری میں کام کر کے کماتے ہیں میں بھی جاؤں اور کماؤں پیسہ ہوگا تو زندگی بھی اچھی گزرے گی اور اپنا کچا گھر بھی پکا کرالوں گا۔ بس دل میں یہ ٹھان کر اس نے اپنا کھیت دوسرے آدمی کو بٹائی پر دے دیا۔ بٹائی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کھیت ہمارا محنت تمہاری، اور جو غلہ پیدا ہوگا آدھا بانٹ لیا جائے گا۔ گھر میں کچھ برتن بھانڈے اور ایک آدھ چارپائی تھی وہ اس نے بڑھیا کے حوالے کردی کہ جب میں آؤں تو

واپس کر دینا اور شہر چل دیا۔ بڑھیا مارے خوشی کے دیوانی ہوگئی۔ جگو کے گھر میں دروازہ بھی نہیں لگا تھا بانس کا ٹٹر لگا کر رات میں دروازے کی طرح بند کر لیا کرتا تھا۔ اس طرح اس کا ایک کوٹھری اور چھپر والا گھر بھی بوڑھی کے ہاتھ آ گیا اس نے سوچا شہر جا کر کون واپس آتا ہے وہاں کی رونق، چہل پہل اور آرام چھوڑ کر اب جگو اس چھوٹے سے گاؤں میں جہاں نہ بجلی ہے نہ سڑکیں ہیں، کاہے کو واپس آئے گا۔ کھیت ویت بھی بیچ دے گا اور شہر میں ہی شادی بیاہ رچالے گا۔ بس یہ گھر میرا ہو جائے گا میں اس پر قبضہ کرلوں گی تو پھر وہ مجھ سے کبھی بھی اس گھر کو واپس نہیں لے سکے گا۔ پھٹا پھٹ اس نے اپنی ساری مرغیاں اور بکریاں جگو کے گھر میں چھوڑ دیں اور بھینس کو باہر کے چھپر میں باندھ دیا۔ ناند تو بنی تھی ہی بھینس کو چارہ سانی بھی وہیں دینے لگی۔ اپنا گھر خوب صاف ستھرا کر کے اب وہ بڑے مزے سے اس میں رہ رہی تھی اور بالکل سیٹھانی بنی ہوئی تھی۔ کچھ دن تو مزے سے گزر گئے مگر بارش آتے ہی اس کی جان مصیبت میں پھنس کر رہ گئی۔

جگو کا چھپر پرانا ہوگیا تھا بارش کا سارا پانی چھپر میں آنے لگا بھینس بے چاری دلدل میں بندھی رہتی بڑھیا کا اس تک جانا اور چارہ دینا مصیبت ہوگیا۔ کیچڑ میں پھنس کر کئی بار وہ گری چوٹ کھائی مگر کیا کرتی ادھر کوٹھری کی کچی چھت بہنے لگی۔ اتنا ہی نہیں، جتنا پانی باہر برستا اتنا اندر برستا، مرغیاں بھیگ بھیگ کر بیمار پڑنے لگیں بہت سے چوزے مرگئے اور بکریاں تو ویسے بھی پانی سے ڈرتی ہیں ادھر پانی برستا ادھر وہ چلاتیں، رسی تڑا تڑا کے بھاگتیں، بارش کی وجہ سے سانپ بچھو بھی رینگ رینگ کر بلوں سے نکلنے لگے اور کئی مرغیوں کو مار ڈالا، دو تین بکریاں مرگئیں، بھینس نے دودھ کم کردیا۔ انڈے بکنا بند ہوگئے آمدنی گھٹتے گھٹتے صفر رہ گئی اب بڑھیا کو ہوش آیا، اور پچھتانے لگی، ہائے میرے لالچ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میرے جانوروں کا اتنا نقصان ہوا آمدنی ختم ہوگئی ان سب کو چارہ سانی اور دانہ پانی دینے کی بھی آفت آگئی ہے۔ ٹٹر ہٹا کر کھلے دروازے سے کتا بلی بھی گھس آتے ہیں۔ توبہ کرتی ہوں میں اپنے گھر میں ہی رہوں گی اور جو اللہ نے دیا ہے اسی میں صبر شکر کے ساتھ بسر کروں گی۔ یہ اس نے رات میں سوچا تھا کہ صبح ہوتے ہی سب جانور لے آؤں گی اپنے پکے گھر میں رکھوں گی اور جگو کا گھر بند کردوں گی۔ مگر صبح کو ایک اور قیامت اس پر ٹوٹ پڑی۔ جہاں بھینس بندھی تھی وہاں کی کچی دیوار اور چھپر بارش کے زور میں بھینس پر آگرے اور پہاڑ جیسی بھینس اسی میں دب کر ختم ہوگئی۔ بڑھیا سر پیٹ پیٹ کر رو رہی تھی کہ ایک پڑوسی نے خبر دی ”بوڑھی اماں! کوٹھری کی چھت بھی گر گئی ہے۔ دیکھو تمہاری مرغیاں اور بکریاں بچیں کہ نہیں؟“

گرتی پڑتی بوڑھی اندر پہونچی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ساری مرغیاں، سارے مرغے، سارے چوزے، ساری بکریاں سارے بکرے چھت کے ملبے کے نیچے دب چکے تھے اور ہر طرف خون کا ایک دریا بہہ رہا تھا۔

وہ رو رہی تھی چلا رہی تھی کیچڑ میں لوٹ رہی تھی۔

”ہائے میں برباد ہوگئی ہائے، میں بن موت مرگئی میرے لالچ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا، میرے سارے جانور ختم ہوگئے ارے یہ سب بے زبان میری لالچ کے بھینٹ چڑھ گئے۔“

اتنے میں کیا دیکھا جگو چلا آرہا ہے۔ بوڑھی اس کو دیکھ کر اور بھی بے حال ہوگئی۔

”ارے جگو معاف کردے مجھے۔ لالچ نے مجھے اندھا کردیا تھا تیرے گھر پر قبضہ کرنے کا سوچ رہی تھی دیکھ اللہ نے کیسا سبق دیا مجھے۔ میرے سارے جانور مرگئے میری روزی روٹی چھن گئی۔“

جگو کو بڑا افسوس ہوا۔ اس نے بڑھیا کو تسلی دی۔

”اماں! بس چپ ہوجاؤ، صبر کرو۔ اللہ تم کو اس سے زیادہ دے گا میں نے تمہیں معاف کیا میرے دل میں تمہارے لیے کوئی ملال نہیں ہے۔ دیکھو مجھے بھی سبق ملا۔ کھیتی کسانی کر کے مزے سے دو روٹی کھاتا تھا اور سکھ کی نیند سوتا تھا۔ لالچ نے دل میں گھر کیا زیادہ پیسے کمانے کے لیے اپنا گھر اپنا گاؤں اپنا کھیت اپنے جانور چھوڑے دیکھو کیا ملا۔ پچھتاوا، دکھ، بے عزتی، کوڑیوں مول نہ پوچھا گیا شہر میں، کمر توڑ کام کرتا تھا پھر بھی پیٹ بھر کھانا نہ ملتا اتنی مہنگائی ہے شہر میں کہ کیا بتاؤں۔ سر چھپانے کے لیے کسی فٹ پاتھ پر بھی پاؤں ٹکانے

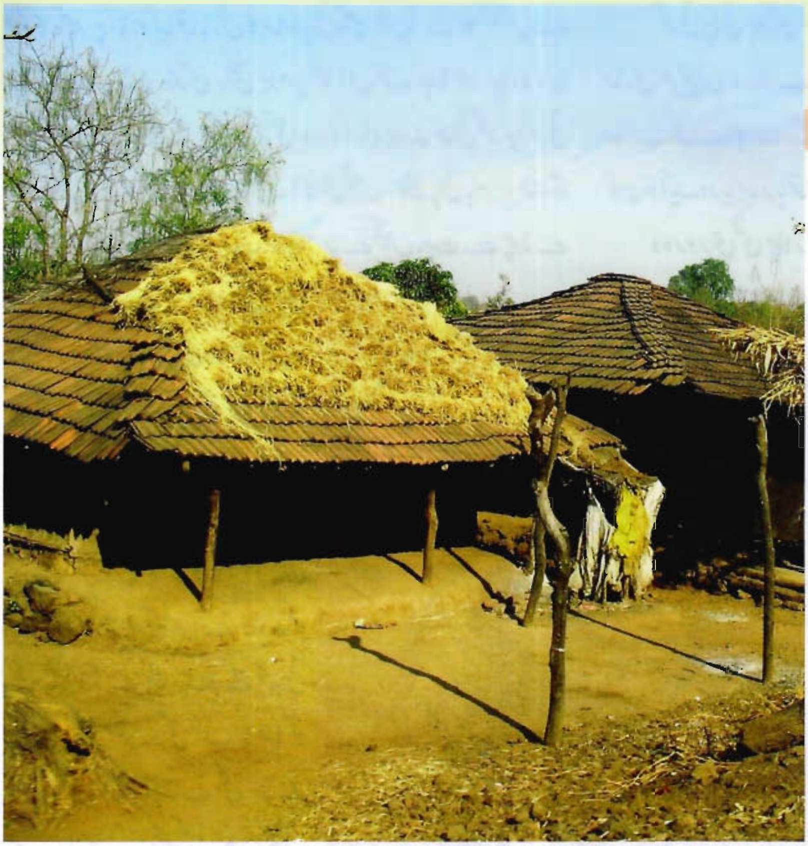

کا موقع نہ ملا۔ سپاہی ڈنڈا مار مار کے جانوروں کی طرح ہنکا دیتے تھے۔ پیسہ دو تو فٹ پاتھ پر بھی بالشت بھر جگہ مل جائے نہیں تو مارے مارے پھرو۔ مت پوچھو کیا حال ہوا۔ آخر بھاگ آیا۔ اپنا گھر پھر اپنا گھر ہوتا ہے اپنے لوگ پھر اپنے لوگ ہوتے ہیں۔ بس اماں، اب میں کہیں نہیں جاؤں گا اپنے گاؤں کی روکھی سوکھی بھلی شہر کی چکنی روٹی سے۔ تو ذرا نہ گھبرا اماں! میں تیری مدد کروں گا تیرا ساتھ دوں گا۔''

بڑھیا کی آنکھیں کھل گئیں۔ عقل ٹھکانے آگئی، اس نے جگو کو گلے لگالیا۔

''ہاں میرا بچہ آج سے تو میرا بچہ میں تیری ماں۔ میرا گھر بھی تیرا۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ بھی تیرا۔''

گاؤں والے بھی خوش، جگو بھی خوش اور بوڑھی اماں کا تو کہنا ہی کیا۔ گھڑے سے روپے نکال کر اس نے جگو کو دیئے وہ ایک عمدہ بھینس اور ایک گائے خرید لایا۔ دو بکریاں آگئیں قریب کے ایک پولٹری فارم سے اچھی مرغیاں آگئیں۔ گھر خوشیوں سے بھر گیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد بڑھیا نے جگو کی شادی کردی بالکل اسی طرح جس طرح اپنے لڑکے کی شادی کرتی۔ جگو کی دلہن بڑے اچھے مزاج کی تھی صورت کی بھی اچھی سیرت کی بھی اچھی۔ آتے ہی پورا گھر سنبھال لیا بوڑھی اماں کو ہل کر پانی نہ پینے دیتی۔ بیٹی کی طرح خدمت کرتی تھی۔ نیت اچھی ہو تو اللہ برکت بھی جی بھر کر عطا کرتا ہے۔ بیچ کی دیوار گرا کر بڑا سا پکا گھر بن گیا۔ جانور بڑھ گئے ایک کی جگہ چار چار بھینسیں ہوگئیں۔ بکریوں کا پورا باڑہ بن گیا۔ اچھا خاصا پولٹری فارم قائم ہوگیا۔ جگو نے دو نوکر بھی رکھ لیے۔ کھیت میں بھی بڑھت ہوگئی۔ دو بیگھ کھیت کی جگہ اب دس بیگھا کھیت تھے اور خوب اچھی پیداوار ہوتی تھی۔ لالچ اور کھوٹ دل سے گئی تو بوڑھی کے وارے نیارے ہوگئے آرام سے اپنے بستر پر بیٹھی آواز دیا کرتی۔

''بہو! او بہو! جگو بیٹا، اوجگو بیٹا۔''

اب تو وہ بھی خوب تندرست ہوگئی تھی کہاں وہ سڑی سانپڑسی بڑھیا کہاں یہ سرخ وسفید خوشی خوشی چہرے والی صاف ستھرے کپڑوں والی بڑی بی۔'' کہانی ختم کرکے ابا نے میرے سر پر تھپکی دی۔ ''دیکھا لالچ کا برا انجام اور نیکی کی برکت۔ لو یہ ایک آم اور کھالو۔'' ابا نے خوب اچھا سا بڑا سا پکا ہوا دسہری آم میری طرف بڑھایا۔ اتنا میٹھا آم تھا کہ آج تک اس کا مزہ یاد ہے۔□

♦ عطیہ پروین، نیا مکان، سید پور، ردولی، فیض آباد 22540Z

سلطان احمد ساحل

پانچ مختصر کہانیاں

عقل مند مسخرہ

کسی شہر میں ایک مسخرہ رہتا تھا۔ مسخرے کے گھر میں کافی سامان تھا اس لئے گھر بدلتے وقت اسے بے حد پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مسخرہ کبھی کبھی نیند کی گولی بھی رات میں کھا کر سوجاتا تھا۔ ایک دن جب وہ نیند کی گولی کھا کر گہری نیند سو رہا تھا تب اس کے گھر پر چار چور بیک وقت داخل ہوئے۔ چوروں نے مسخرے کا سارا سامان سمیٹ لیا۔ الماری، فولڈنگ بیڈ، ٹی وی، ٹیبل گھڑی، روپیہ، سونا چاندی، کپڑے اور تمام برتن وغیرہ بورے میں بھر لیے۔ جب چور تمام سامانوں کو لے کر گھر سے نکل رہے تھے تو تھوڑی آہٹ اور کھٹ پٹ کی آواز سے مسخرے کی نیند کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ

چوروں نے گھر کا سارا سامان اچھی طرح سے بٹور لیا ہے اور گھر میں صرف ایک پھٹی ہوئی پتلون، ٹوٹا ہوا گلاس اور جس پر وہ سویا ہوا تھا وہ پلنگ بچ رہا تھا۔ مسخرے نے فوراً جھٹ پٹ بقیہ سامان کو سمیٹا اور چوروں کے پیچھے چل پڑا۔ چاروں چوروں کو چلتے چلتے ایسا احساس ہوا کہ کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ چوروں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گئے کہ مکان مالک مسخرہ بقیہ سامان سمیٹے ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ چوروں نے رک کر مسخرے سے پوچھا۔ ''بھئی! تم مالک مکان ہو کر میرے پیچھے پیچھے کیوں چل رہے ہو؟''

اس پر مسخرے نے برجستہ جواب دیا: ''کتنے ہی دنوں سے میں سوچ رہا تھا کہ مکان چھوٹا پڑ رہا ہے اس لیے اسے بدل لوں لیکن مزدور اور قلی والے کافی مزدوری مانگ رہے تھے۔ اس وجہ سے مکان بدلنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم لوگ میری مدد کے لیے آگئے ہو۔ اب میرا یہ کام بالکل آسانی سے ہو جائے گا۔''

چور مسخرے کی بات سن کر بوکھلا گئے۔ مفت کا قلی اور مزدور بتانے کو اپنی توہین اور ذلیل کام مان کر انھوں نے سارا سامان وہیں چھوڑا اور بھاگ گئے۔ یوں مسخرے کو اپنا سب سامان واپس مل گیا۔

لومڑ کا سبق

ایک سہانے دن کی بات ہے کہ ایک لومڑے نے اپنے چھوٹے بچے کو پہاڑی پر چڑھا دیا اور پیار دلار کرتے ہوئے بچے کو یہ نصیحت کی کہ ہمیشہ اپنے اوپر بھروسہ رکھنا اور دوسرے کے بھروسے مت رہنا۔ پھر اس نے بچے سے پہاڑی سے نیچے کودنے کے لئے کہا تاکہ وہ زندگی بھر کام آنے والا کرتب سیکھ سکے۔ یہ کہتے ہوئے لومڑ پہاڑی کے نیچے آگیا۔ پہاڑی اونچی تھی اور لومڑے کے بچے کو نیچے دیکھتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔

لومڑ نے پہاڑی کے نیچے سے کہا،'' ڈرو مت میں۔ جیسے ہی تم

کودو گے میں تمھیں لپک لوں گا۔ بچہ لومڑ کے کہنے پر پہاڑی سے کود گیا مگر لومڑ اسے حفاظت سے دبوچنے کی بجائے ایک دم الگ ہٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ زمین پر گر کر زخمی ہوگیا۔ بچہ درد اور غصے سے چلایا اور لومڑ سے مخاطب ہوکر بولا'' تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا؟ تم تو میرے باپ ہو؟ مجھے بچایا کیوں نہیں۔''

لومڑ نے خوش ہوکر تالی بجائی اور مسکراتے ہوئے کہا'' بے شک میں تمہارا باپ ہوں۔ مگر میں تمھیں سکھانا چاہتا تھا کہ کبھی کسی کے بھروسے مت رہنا۔ چاہے وہ تمھارا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ وہ سبق ہے جو ایک لومڑ کو ضرور سیکھنا چاہئے۔''

کوہ نور اور نادر شاہ

یہ واقعہ تب کا بتایا جاتا ہے جب دہلی میں مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کی حکومت تھی۔ ایران کا بادشاہ نادر شاہ درانی حملے کے لیے طوفانی رفتار سے بڑھتا ہوا دہلی آ گیا تھا۔اس کی فوجوں نے ہولی کے دن چاندنی چوک کے آس پاس علاقے کو روند ڈالا اور ہزاروں لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا۔قتل عام جاری تھا۔موقع کی نزاکت کو بھانپ کر بے بس شاہ رنگیلا نے اس سے لڑنے کے بجائے ایک معاہدہ کر لینا زیادہ بہتر اور مناسب سمجھا۔ نادر شاہ محمد شاہ کے مسلسل اسرار اور التجا پر اس شرط کے ساتھ قتل عام روکنے پر راضی ہوا کہ بادشاہ اسے پوری طرح سونے اور چاندی سے مور کی شکل پر بنایا گیا تخت طاؤس، ستّر کروڑ سونے کی اشرفیاں، ہیرے جواہرات، چار ہزار کنیزیں، ہزاروں کاریگر اور لوہار دینے کا وعدہ کرے۔

بادشاہ نے اس شرط کو پورا کرنے کے ساتھ نادر شاہ کی شان میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔ نادر شاہ کی نظر صرف کوہ نور ہیرے پر تھی جو اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک درباری نے مخبری کرتے ہوئے نادر شاہ کو یہ بتایا کہ محمد شاہ نے نادر شاہ کے خوف سے کوہِ نور ہیرے کو اپنی پگڑی میں چھپا لیا ہے۔ نادر شاہ کو جیسے ہی اس راز کا پتہ چلا تو اس نے ایک چال چلی۔ دعوت شروع ہونے سے پہلے نادر شاہ

محمد شاہ

نادر شاہ

نے محمد شاہ کو گلے لگالیا اور کہا ہوئے کہا، ''چونکہ آپ نے مجھے بہت عزت دی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں پگڑی بدل بھائی بن جائیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی شاہی پگڑی اتاری اور محمد شاہ سے اپنی پگڑی اتارنے کی درخواست کی۔ محمد شاہ کے پگڑی اتارتے ہی نادرشاہ نے اپنی پگڑی اسے پہنا دی اور اپنا سر جھکا لیا۔ مجبوراً محمد شاہ کو بھی وہ پگڑی نادرشاہ کے سر پر رکھنی پڑی جس میں کوہ نور چھپا ہوا تھا۔

بادشاہ بھتریا پیڑ

ایک لڑکا آم کے پیڑ پر پتھر مار کر آم توڑنے کی کوشش میں مشغول تھا۔ اسی درمیان غلطی سے لڑکے کا نشانہ چوک گیا اور ایک پتھر وہاں سے گذرتے ہوئے بادشاہ کے سر پر لگ گیا۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے اسے پکڑلیا۔ بادشاہ نے اس لڑکے سے کہا ''تم سزا کے قابل ہو کیونکہ آئندہ تم پھر کبھی اس راستے سے گذرتے ہوئے کسی بادشاہ، مسافر یا ہماری رعایا کے اوپر پتھر چلانے کی ہمت نہیں کروگے، تم مجرم

ہواور تمہیں سزا ضرور ملے گی۔''

لڑکا خوف زدہ ہوگیا پھر بھی اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔''حضور بادشاہ سلامت! جب میں آم کے پیڑ پر پتھر چلارہا تھا تو مجھے بطور تحفہ میٹھے اور رسیلے پھل کھانے کو مل رہے تھے۔لیکن بے خبری میں نشانہ چوک جانے سے پتھر آپ کو لگ گیا تو آپ مجھے سزا دے رہے ہیں۔ معاف کیجیے آپ سے زیادہ نرم دل اور رحم دل تو آم کا پیڑ ہے۔'' یہ سنتے ہی بادشاہ نے لڑکے کو اس کی حاضر دماغی پر داد دی اور اسے آزاد کردیا۔

حال چال

کسی ندی کے کنارے ایک دن ایک مگرمچھ اور ایک لکڑ بگھے کی اچانک ملاقات ہوگئی۔ مگرمچھ نے اپنے ساتھی کا استقبال کرتے ہوئے کہا''ہیلو! بھئی کافی دنوں بعد ملاقات ہورہی ہے۔کیا حال چال ہے۔'' یہ سنتے ہی لکڑ بگھے نے مسکراتے ہوئے کہا''اس دنیا سے میں بھی کافی دکھی ہوں۔ جب کبھی کسی اچھی بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں تو لوگ ناراض ہوجاتے ہیں، اور کہنے لگتے ہیں کہ جانے بھی دو یار یہ تو لکڑ بگھے کی نمائشی ہنسی ہے تب تم ہی خود سوچو میرے اوپر کیا گذرتی

ہوگی۔اس لیے میری بات چھوڑو اپنا حال سناؤ۔''

مگرمچھ نے اداس ہوکر کہا''پوچھو مت میرے دوست میرے دکھوں کی کوئی سرحد نہیں ہے۔ جب کبھی دکھ، درد میں آنسو بہاتا ہوں تو

سب کہتے ہیں اے مسٹر، بنومت، یہ تو مگرمچھ کے آنسو ہیں۔ اب تم ہی خود سوچو میری کتنی بے عزتی ہوتی ہے۔ میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔'' □

سلطان احمد ساحل نیوڈی ایس کیبل فلیٹ نمبر3 کیبل ٹاؤن گول مری جمشید پور831003

انگور میٹھے ہیں!

راحت رَوِش

ہمارا اسکول گاؤں سے دو کلومیٹر فاصلے پر تھا جسے ہم اکثر پیدل ہی طے کرتے تھے۔ کبھی کوئی دوست سائیکل لے آتا تو تینوں چاروں اس پر لد جاتے اور ہنستے کھیلتے گھر پہنچ جاتے۔ ہفتہ کی شام میں ہمارا یہ معمول تھا کہ ہم اسکول سے واپس آتے وقت کسی نہ کسی باغ میں چلے جاتے۔ جس باغ میں گھُس جاتے اُس باغ کے پھلوں کی خیر نہ رہتی۔ آم کے موسم میں تو ہمارے وارے نیارے ہو جاتے ہم ہر دوسرے تیسرے روز سنیچر مناتے۔

سردیوں میں گنّے کے کھیتوں سے توڑ توڑ کر خوب گنے کھاتے یا کبھی سبزیوں کے کھیتوں میں گھُس کر نرم نرم تازی لال لال گاجروں کا مزہ لیتے۔ کچی گاجریں کھانے میں جو مزہ آتا وہ بیان سے باہر ہے۔ کبھی مولی کے کھیت میں جا کر ایک دوسرے کی خاطر نہ صرف کھانے میں کرتے بلکہ ایک دوسرے پر مارنے میں بھی سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔

ایک روز ہم جب ایک ہی طرح کی چیزیں کھاتے کھاتے بور ہو گئے تو ہم نے کچھ نیا کھانے کی سوچی۔ کسی نے کہا: ''چلو آج تربوز کھاتے ہیں۔'' دوسرا بولا: ''ارے بے وقوف! سردیوں میں بھی کبھی تربوز ملتے ہیں؟'' تیسرے نے کہا ''سنگھاڑے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا: ''سنگھاڑے بھی کوئی کھانے کی چیز ہیں.... اگر کھانے ہی ہیں تو انگور کھاؤ۔''

میری تجویز سب کو پسند آ گئی۔ چنانچہ ہم سب انگور کے باغ کی

تلاش میں نکل پڑے۔ آخر چلتے چلتے ایک انگور کا باغ مل ہی گیا مگر اس میں داخل ہونا ایک مشکل کام تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں بنی ہوئی تھیں جن پر کانٹے دار تار لگے تھے۔ صرف ایک دروازہ تھا مگر اس پر بھی پہرہ لگا ہوا تھا۔ ہم اندر جانے کے لیے بیتاب تھے اور باغ کے چکر کاٹ رہے تھے کہ اتنے میں میری نظر دیوار میں موجود ایک سوراخ پر پڑی جسمیں ہم بمشکل داخل ہو سکتے تھے۔ ہم سب کسی نہ کسی طرح سوراخ سے اندر پہنچ گئے۔ میں سب سے آگے تھا، کیوں کہ انگور کھانے کی تجویز میری ہی تھی۔ ہم نے انگور کھانا شروع کر دیے جو بہت میٹھے تھے۔ اتنے میں ہم نے دیکھا ایک لومڑی بھی اُچک اُچک کر انگور کھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہمیں وہی جانی پہچانی لگی۔ پھر یاد آیا، ارے یہ تو وہی قصے کہانی والی لومڑی ہے۔ جب ہزار جتن کے باوجود وہ انگور تک نہ پہنچ سکی تو منہ لٹکا کے واپس جانے لگی۔ میں نے از راہِ مذاق کہا: ''کھوبی لومڑی انگور کھائے۔'' وہ بولی ''نہیں۔''

میں نے کہا: ''کیا، انگور کھٹّے تھے؟...'' میرے ایسا کہتے ہی سب ساتھی ہنس پڑے۔ اس پر لومڑی نے بُرا سا منہ بنایا اور بولی: ''کھٹّے ہوتے تو میں ضرور کھالیتی... وہ تو میٹھے تھے...'' ہم سب ایک ساتھ بولے: ''تو پھر تم نے کیوں نہیں کھائے؟'' لومڑی بولی: ''مجھے ڈاکٹروں نے میٹھا کھانے کو منع کیا ہے... دراصل مجھے شکر کی بیماری ذیابیطس (Diabetes) ہوگئی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھلاتی ہوئی چل دی۔ اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ قصے کہانیوں والی پرانی لومڑی نہ صرف یہ کہ ابھی تک حاضر جواب ہے بلکہ خاصی ماڈرن بھی ہوگئی ہے! □

♦ راحت رَوِش 1235 حویلی حسام الدین حیدر، گلی محل سرائے، بلیماران، دہلی-110006

حضور سہسوانی

سچّا چور

اک زمانے میں اک ایسا چور تھا
چوریوں کا اس کی ہر سو شور تھا
واردات اک آدھ وہ کرتا تھا روز
اور یوں چوری کا دم بھرتا تھا روز
زندگانی اس کی وقفِ جرم تھی
وہ مگر پکڑا نہ جاتا تھا کبھی
اس نے ٹھنڈے دل سے سوچی ایک بات
میرا پیشہ بھی ہے کتنا واہیات
زندگی سے اپنی گھن کرنے لگا
جرم کرنے سے وہ اب ڈرنے لگا
چاہتا تھا باز آنا جرم سے
دور ہونا بھاگ جانا جرم سے
اپنی عادت سے مگر مجبور تھا
چوریوں سے اب بھی کب وہ دور تھا
آخر اک درویش سے جاکر ملا
اور سنا ڈالا اسے سب ماجرا
بولا وہ درویش سن کر داستاں
باز آجا چوریوں سے اے میاں

صدق دل سے توبہ کرلے گا اگر
پھر تو پالے گا گناہوں سے مفر
چور بولا مجھ سے یہ ہوتا نہیں
چور باز آتا ہے چوری سے کہیں؟
اس لیے تدبیر ایسی سوچیے
باز رکھے جو گناہوں سے مجھے
الغرض درویش نے اس سے کہا
صدق گوئی کو رفیق جاں بنا
وعدہ آخر کرلیا اس چور نے
آج سے نفرت کروں گا جھوٹ سے
اس نے سچائی کو تو اپنا لیا
لیکن اپنا کام بھی کرتا رہا
واقعہ ہے اک اندھیری رات کا
چوری کرنے کو جو وہ گھر سے چلا
راہ میں اک آدمی اس کو ملا
اک سوال اس چور سے جس نے کیا
رات میں نکلے ہو تم کس کام سے
کیا بتا سکتے ہو اے بھائی مجھے

چور نے ہنس کر دیا اس کو جواب
چوری کرنے گھر سے نکلا ہوں جناب
اجنبی نے سن کے یہ اس سے کہا
چوریاں کرنا ہی ہے پیشہ مرا
کیا ہی اچھا ہو کریں چوری جو ساتھ
آدھا آدھا بانٹ لیں آئے جو ہاتھ
چور یہ سنتے ہی راضی ہوگیا
ساتھ اس نے اجنبی کو لے لیا
اجنبی بولا، محل میں جایئے
اور کچھ لعل و جواہر لایئے
بادشاہ کچھ روز سے گھر میں نہیں
رہ رہا ہے ان دنوں باہر کہیں
چور فوراً ہی محل میں جا گھسا
رہ گیا وہ اجنبی باہر کھڑا
شاہ کے کمرے میں وہ داخل ہوا
کمرہ خالی تھا وہاں کوئی نہ تھا
کمرہ ہر اک شے سے تھا آراستہ
دیکھتے ہی چور بے حد خوش ہوا

لعل کچھ رکھے ہوئے تھے طاق پر
چور کی ٹھہری وہاں جاکر نظر
اب وہ فوراً طاق کی جانب بڑھا
طاق کے نزدیک جاکر رک گیا
اس نے دیکھا لعل تو بس تین ہیں
کس طرح آپس میں یہ بانٹوں گا میں
لعل چپکے سے اٹھائے اس نے دو
اک لیا خود اک دیا اس چور کو
اجنبی نے یہ کیا اس سے سوال
کیا وہاں پائے تھے تم نے دو ہی لعل
چور بولا، دو نہیں تھے تین تھے
تین آخر کس طرح ہم بانٹتے
اجنبی نے کل کا پھر وعدہ کیا
اور اپنے گھر کو رخصت ہولیا
شاہ تھا اس اجنبی کے بھیس میں
گھوما کرتا تھا جو اکثر دیس میں
گھر پہنچ کر اس نے لعلوں کو گنا
اور دیکھا لعل اک موجود تھا

صبح کو دربار میں اس نے کہا
چور کوئی رات گھر میں آگیا
لے گیا کیا کیا نہیں ہے کچھ پتا
چیز کم کیا کیا ہے یہ ہے دیکھنا
پھر کہا اس نے وزیر خاص سے
جائیے کمرے میں جاکر دیکھئے
حکم پاتے ہی وزیر اب شاہ کا
ایک دم کمرے میں اس کے جا گھسا
واپس آکر شاہ سے اس نے کہا
چور شب کو لعل سارے لے اڑا
شاہ پھر کمرے میں اپنے خود گیا
لعل اب اس نے نہ پایا تیسرا
بات یہ اس کی سمجھ میں آگئی
جیب میں ہے وہ وزیر خاص کی
شاہ یوں گویا ہوا دربار میں
پہلے تھا اک چور اب دو چور ہیں
چور اک تو ہے خدا جانے کہاں
دوسرا موجود ہے لیکن یہاں

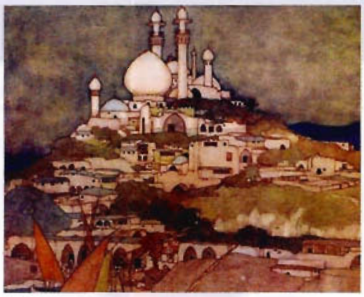

اور پھر پوچھا وزیر خاص سے
کچھ اشارہ میرا سمجھا آپ نے
بو کھلایا اتنا سنتے ہی وزیر
جیسے مارا ہو کسی نے اس کو تیر
اک سپاہی کی وہیں طلبی ہوئی
جیبیں وہ دیکھے وزیر خاص کی
چند ساعت بعد یہ عقدہ کھلا
وہ وزیر خاص ہی اک چور تھا
الغرض اس رات والے چور کو
شاہ کو اک دے گیا تھا لعل جو
شاہ نے اس کو بلاکر یہ کہا
عہدہ حاضر ہے وزیر خاص کا
چور تھے تم بولتے تھے سچ مگر
اس لیے تم پر گئی میری نظر
اس سے پہلے جو وزیر خاص تھا
چور تھا وہ اور عادی جھوٹ کا
اس لیے دل سے نکالا ہے اسے
قید خانے میں بسایا ہے اسے

در حقیقت آدمی ہے وہ حضور
خود کو رکھے جھوٹ سے جو دور دور

◆ ڈاکٹر حضور سہسوانی، راز منزل چودھری محلّہ سہسوان ضلع بدایوں 243638

گلیور بالشتیوں کی دنیا میں

3

مصنف: جوناتھن سوئفٹ

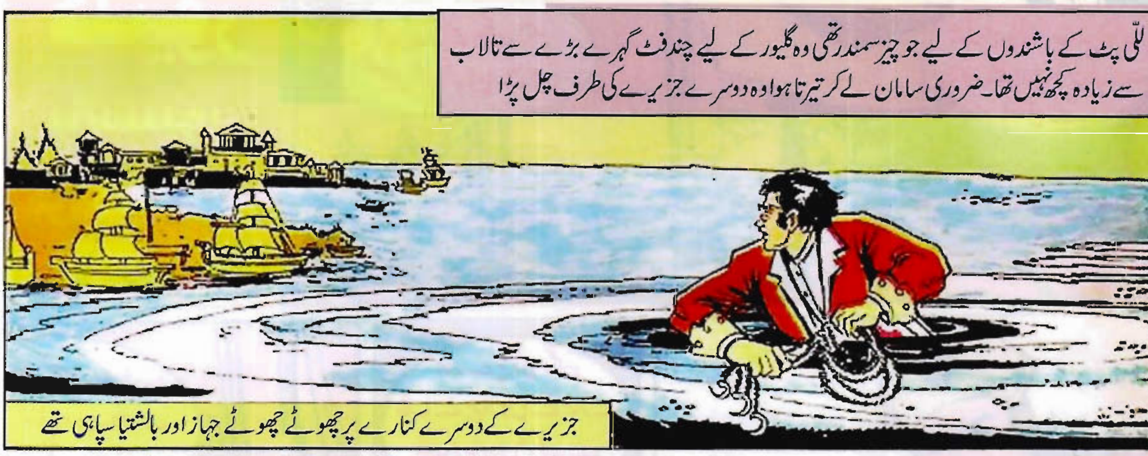
للّی پٹ کے باشندوں کے لیے جو چیز سمندر تھی وہ گلیور کے لیے چندفٹ گہرے بڑے سے تالاب
سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ضروری سامان لے کر تیرتا ہوا وہ دوسرے جزیرے کی طرف چل پڑا
جزیرے کے دوسرے کنارے پر چھوٹے چھوٹے جہاز اور بالشتیا سپاہی تھے

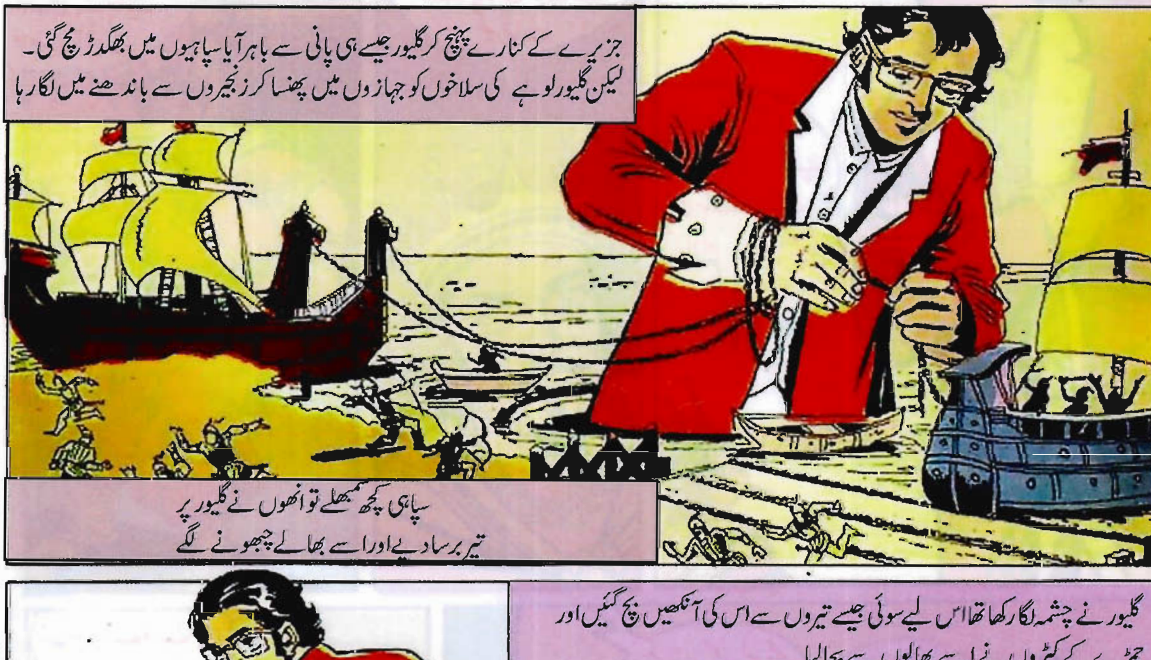
جزیرے کے کنارے پہنچ کر گلیور جیسے ہی پانی سے باہر آیا سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔
لیکن گلیور لوہے کی سلاخوں کو جہازوں میں پھنسا کر زنجیروں سے باندھنے میں لگا رہا
سپاہی کچھ سنبھلے تو انھوں نے گلیور پر
تیر برسا دیے اور اسے بھالے چبھونے لگے

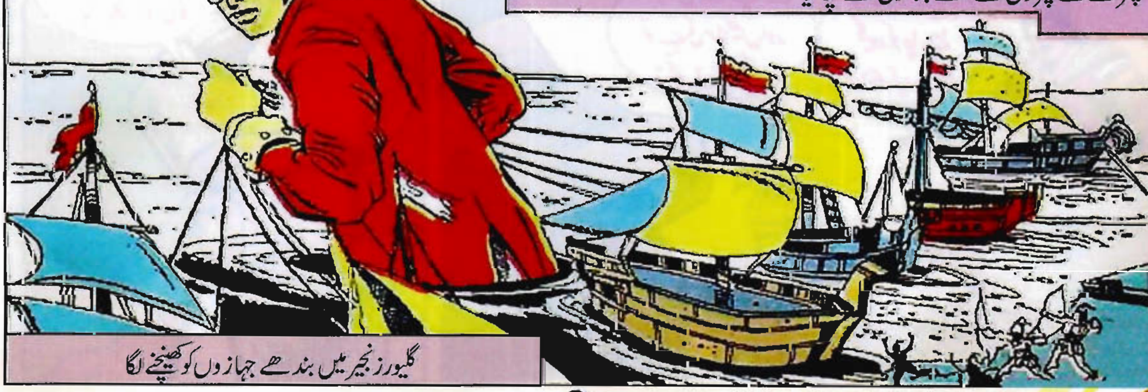
گلیور نے چشمہ لگا رکھا تھا اس لیے سوئی جیسے تیروں سے اس کی آنکھیں بچ گئیں اور
چمڑے کے کپڑوں نے اسے بھالوں سے بچالیا
گلیور زنجیر میں بندھے جہازوں کو کھینچنے لگا

تقریباً پچاس جہازوں کو زنجیروں سے کھینچتا ہوا
گلیور للی پٹ کے ساحل پر چلا آیا
شکریہ گلیور
اوہ! پہلے ان تیروں کو نکال لوں
للی پٹ کے ساحل پر کھڑے بادشاہ
اور اس کے فوجیوں نے خوشی کا اظہار کیا
آخر ایک ہفتے بعد پڑوسی ملک کے چھ سفیر آئے اور انھوں نے للی پٹ کی
حکومت سے صلح کر لی
للی پٹ پر جہاز بھیج کر ہم نے غلطی کی
آپ کو ہرجانہ دینا ہوگا
ایک ہفتے میں ہمارے بادشاہ کا تحفہ پہنچ جائے گا حضور!
ٹھیک ہے! صلح منظور ہوئی
ادھر گلیور کو بادشاہ نے رہا نہیں کیا۔ کچھ درباریوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ گلیور ملک
کا دشمن ہے اور پڑوسی ملک سے ملا ہوا ہے
جہاں پناہ! گلیور کے خلاف جانچ ہونی چاہئے
گلیور ایسا نہیں کر سکتا

درباری لگاتار بادشاہ کے کان بھرتے رہے
جہاں پناہ! ایک ہزار آدمیوں کا کھانا وہ یہاں کھاتا ہے
ان کے ملک جانے کی دعوت بھی اس نے قبول کر لی ہے
مگر تعریف وہاں کے بادشاہ کی کرتا رہتا ہے
ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ بغاوت کے لیے اس کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں
بادشاہ ان کے بہکانے میں آگیا
اس دوران گلیور خالی نہیں بیٹھا رہا۔ اس نے سمندر کے کنارے لکڑیاں جوڑ کر اپنے لیے ایک کشتی بنالی تھی
تم ملک کے غدار ہو ہم تمھاری آنکھیں نکال لیں گے
گلیور نے یہ سن کر ایک خوف ناک قہقہہ لگایا جس کی گرج سن کر سپاہی بھاگ پڑے
گلیور کشتی میں بیٹھ گیا۔ سپاہی تیر برساتے رہے مگر اسے پکڑ نہ سکے۔
بادشاہ سلامت سے کہہ دینا گلیور غدار نہیں تھا، درباری اس سے جلتے تھے

جلد ہی گلیور کو ایک جانا پہچانا سا جہاز دکھائی دیا۔ وہ کشتی اس کی طرف لے گیا۔ جہاز سچ مچ انگلینڈ کا ہی تھا۔ جہاز والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسے جہاز پر چڑھا لیا
آؤ بھئی آجاؤ۔ واقعی بڑے قسمت والے ہو
اس جہاز پر بھی گلیور کی خدمات ڈاکٹر کے طور پر حاصل کر لی گئیں
دو مہینے تک سفر بڑے آرام سے کٹا
وہ جہاز ہندوستان کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں افریقہ کے ایک جزیرے پر جہاز روکا گیا
پینے کا پانی ختم ہو گیا ہے
چلو کہیں تلاش کریں
یہاں کوئی چشمہ یا آبشار ضرور ہوگا
ادھر گلیور کو بادشاہ نے رہا نہیں کیا۔ کچھ درباریوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ گلیور ملک کا دشمن ہے اور پڑوسی ملک سے ملا ہوا ہے

جہاز کا مسافر ہونے
کی بنا پر مجھے بھی پانی
تلاش کرنا چاہیے
شائد ادھر کوئی
جھرنا مل جائے
ایک میل تک ڈھونڈ لیا اب
چلنا چاہیے
وہ کنارے پر آیا تو...
ارے! یہ سب بھاگ
کیوں گئے؟ سب گھبرائے
ہوئے سے ہیں۔ اور اب
جہاز بھی چل پڑا
اوہ! تو یہ دیوزاد
پیچھا کر رہا تھا
یہ بھی واپس چل پڑا بھاگ
کر اس کھیت میں چلوں!

□ ادارہ

فروری شمسی سال کا دوسرا لیکن سب سے چھوٹا مہینہ ہے۔ لوند کے سال Leap Year میں 29 دن کا اور باقی برسوں میں صرف 28 دن کا۔ جولین کیلینڈر اور گریگورین کیلینڈر کے رواج میں آنے سے پہلے فروری سال کا آخری مہینہ ہوا کرتا تھا جس کا نام لاطینی زبان کے لفظ februum سے لیا گیا تھا۔ اس لفظ کا مطلب ہے پاکیزہ ہوجانا یا پاکیزگی حاصل کرنا۔ رومن قمری Lunar کیلینڈر کے مطابق اس مہینے کی 15 تاریخ کو پاکیزگی Februa کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اسی بنا پر مہینے کا نام فروری رکھ دیا گیا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس زمانے میں جنوری اور فروری دونوں ہی سال کے آخری مہینے تھے اور چونکہ ان مہینوں میں یوروپ میں سخت سردی پڑتی تھی اس لیے انھیں مہینے کے طور پر شمار ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ بعد میں جنوری کو شمار کیا جانے لگا اور سال کے بچے کھچے دن فروری کے کھاتے میں ڈال دیے گئے۔ پہلے ان دنوں کی تعداد 23 اور 24 رہی بعد میں 26 اور 27 سے بڑھتے بڑھتے یہ 28 ہوگئی۔ آخر پوپ گریگوری نے جس کا کیلینڈر آج تک رائج ہے عام برسوں کے لیے فروری کے 28 دن مقرر کر دیے، جب کہ لوند کے سال میں جو کہ ہر چوتھا سال ہوتا ہے اس کے 29 دن طے پائے گئے۔ اب نظر ڈالتے ہیں اس مہینے کے اہم واقعات پر۔

یکم فروری: 1666 کو سلطان شہاب الدین شاہجہاں کا اپنے بیٹے اورنگ زیب کی قید میں انتقال ہوا۔ ◆ 1788 میں بھاپ سے چلنے والی کشتی ایجاد ہوئی جس کے بعد بھاپ کی طاقت سے چلنے والے بڑے جہاز بھی بننے لگے۔ ◆ 2003 میں امریکی خلائی جہاز شٹل کولمبیا جس پر ہندوستان میں پیدا ہوئی کلپنا چاولہ بھی سوار تھیں اپنے مشن سے واپسی پر دوبارہ زمینی ماحول میں داخل ہوتے وقت پھٹ گیا اور اس پر سوار سبھی سات خلاباز ہلاک ہوگئے۔

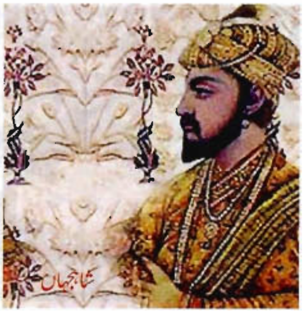
شاہجہاں

کلپنا چاولہ

2 فروری: 1502 کو ہندوستانی جزیرے دیو میں پرتگال اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان لڑائی ہوئی۔ دیو پر اس وقت پرتگال کا قبضہ تھا جو بہت بعد میں 1960 میں گوآ کی آزادی کے ساتھ ختم ہوا۔ ◆ 1882 میں مشہور ناول نگار اور شاعر جیمس جوائس ڈبلن، آئر لینڈ میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور تخلیقات میں Dubliners, A Portrait of the Artist as a Young Man, Ulysses اور Finegan's Wake شامل ہیں۔

جیمس جوائس

3 فروری: 1943 کو دوسری عالمی جنگ کے دوران امریکی ٹرانسپورٹ جہاز ڈور چیسٹر برفانی سمندر میں گرین لینڈ کے ساحل سے دور جرمن فوج کے تارپیڈو کا نشانہ بن گیا اور جب اس کا ڈوب جانا یقینی ہوگیا تو

امریکی جہاز کے چار بہادروں کی یاد میں جاری کیا گیا ڈاک ٹکٹ

جہاز پر سوار تمام عملے نے لائف جیکیٹ پہن کر جہاز کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ تبھی لائف جیکیٹ کم پڑ گئیں۔ چار جوان فوجیوں کے لیے کسی لائف جیکیٹ کا انتظام نہ ہو سکا۔ اپنی موت یقینی سمجھ کر وہ خوف زدہ تھے امریکی فوج کے چار سینئیر فوجیوں سے یہ دیکھا نہ گیا اور انھوں نے اپنی لائف جیکیٹیں اتار کر انھیں دے دیں۔ جہاز ڈوبنے لگا تو ان چاروں جاں باز فوجیوں کو گھٹنوں کے بل خدا سے دعا کرتے ہوئے دیکھا گیا جس کے بعد وہ بھی جہاز کے ساتھ سمندر میں غرق ہو گئے۔ ♦ 1468 میں جرمنی کے شہر مینز میں جوہانیس گٹن برگ پیدا ہوئے جو ایک سنار بھی تھے اور لوہار کا کام بھی جانتے تھے۔ انھوں نے دنیا کی پہلی پرنٹنگ پریس تیار کی جس نے دنیا کی تصویر بدل کر رکھ دی۔

4 فروری: 1902 کو مشہور ہوا باز چارلس لنڈن برگ ڈیٹرائٹ مشی گن امریکہ میں پیدا ہوئے۔ وہ پہلے ہوا باز تھے جنھوں نے 20-21 مئی 1927 کو نیویارک سے پیرس تک بیچ میں کہیں رکے بغیر تن تنہا پہلی اڑان کی تھی۔

5 فروری: 1971 کو اپولو 14 چاند پر اترا۔

6 فروری: 1952 کو انگلینڈ کے کنگ جارج پنجم کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ملکہ الزبتھ دوم انگلینڈ کی ملکہ بنیں اور ابھی تک ہیں۔

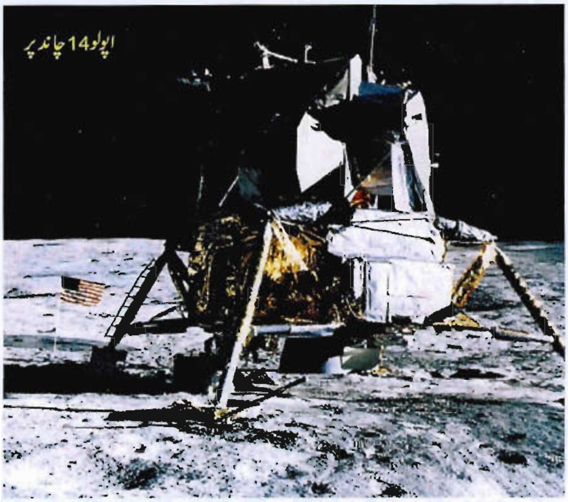

7 فروری: 1478 کو انگلینڈ کے لارڈ چانسلر، قانون داں اور عالم دین تھامس مور لندن میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک راسخ العقیدہ کیتھولک عیسائی تھے اور شاہ ہنری ہشتم کی ملکہ کیتھرین سے ہونے والی طلاق کو جائز نہیں مانتے تھے۔ اس طرح انھوں نے روم کے کیتھولک چرچ پر بادشاہ کی مذہبی بالادستی کو ماننے سے انکار کیا تھا۔ آخر ان پر ملک سے

ٹامس مور کی گرفتاری اور سزائے موت دینے کا منظر مصور کی نظر سے

بغاوت کا مقدمہ چلا کر موت کی سزا دے دی گئی اور ان کا سر قلم کر کے لندن کے ٹاور برج پر لٹکا دیا گیا۔ چار سو سال بعد روم کے پوپ پائیس گیارہویں نے 1935 میں انھیں سنت کا درجہ دیا۔ ♦ 1812 میں انگلینڈ کے پورٹس ماؤتھ میں چارلس ڈکنس پیدا ہوئے جو ایک عظیم

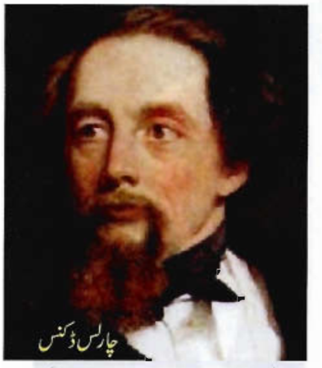
چارلس ڈکنس

ناول نگار تھے۔ ڈیوڈ کاپر فیلڈ، اولیور ٹوئسٹ اور نکولس نکل بی ان کی مشہور تخلیقات ہیں۔ 1843 میں انھوں نے چند ہفتوں میں کرسمس کیرول لکھ ڈالا جو آج بھی ایک شاہکار مانا جاتا ہے۔ ♦ 1885 میں امریکی ناول نگار اور سماجی نقاد سنکلیئر لیوس ساک سینٹر منے سوٹا میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور تخلیقات میں مین اسٹریٹ، ببیٹ اوراٹ کانٹ ہیپن ہیئر شامل ہیں۔

8 فروری: 1587 کو 19 برس تک انگلینڈ کی ملکہ الزبتھ اوّل کی قید میں رہنے کے بعد اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری اسٹوارٹ کا سر قلم کر دیا گیا۔ وہ انگلینڈ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی اصلاحات سے تعلق رکھنے والی پیچیدہ سیاست میں پھنس گئی تھی اور اس پر ملکہ الزبتھ کو قتل کرنے کی سازش رچنے کا بھی الزام تھا۔ ♦ 1828 میں مشہور فکشن رائٹر جولز ورنے فرانس کے شہر نانتیز کے نزدیک ایک چھوٹے سے مصنوعی جزیرے پر اپنے ماموں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کی دل چسپ مہماتی اور سائنسی کہانیوں پر مبنی کتابوں میں Twenty Thousand Leagues Under the Sea,Journey to the Center of the Earth,From the Earth to the Moon,Around the World in Eighty Days, The Mysterious Island,Five Weeks in a Balloon ,Master World,Off on of the a Comet شامل ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت اراؤنڈ دی ورلڈ ان ایٹی ڈیز کو ملی جسے آپ قسط وار 'بچوں کی دنیا' میں پڑھ رہے ہیں۔

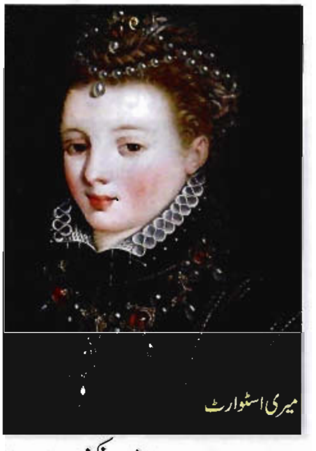
میری اسٹوارٹ

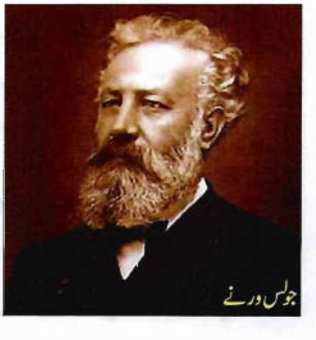
جولس ورنے

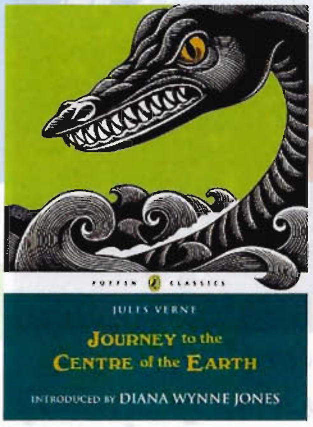

9 فروری: 1965 کو پہلا امریکی فوجی دستہ ویت نام کی جنگ میں بھیجا گیا جو لمبے عرصے چلی اور امریکہ کی ہار پر ختم ہوئی۔

10 فروری: 1258 کو خلافت عباسیہ کے حکمراں نے ہلاکو خان کی فوج کے ذریعہ بغداد کے محاصرے کے آگے ہتھیار ڈال دیے جس کے ساتھ جنگ بغداد ختم ہوگئی اور خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ♦ 1846 میں انگریز فوجوں نے سوبراؤں میں سکھ فوجوں کو ہرا دیا۔ ♦ 1931 میں نئی دہلی کو ہندوستان کی راجدھانی بنا دیا گیا۔

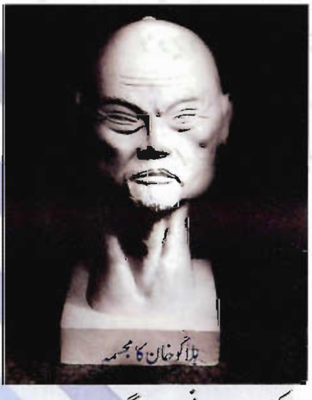
ہلاکو خان کا مجسمہ

11 فروری: 1713 کو مغل بادشاہ جہاں دار شاہ کا انتقال ہوا۔ ♦ 1964 کو اٹلی کے ڈکٹیٹر بینیٹو مسولینی نے ویٹیکن

اٹلی کا ظالم ڈکٹیٹر مسولینی جسے عوام کے سامنے تقریر کرتے وقت عجیب شکلیں بناتے رہنے کی عادت تھی ◄

نیلسن منڈیلا کی یاد میں

سٹی کو آزاد کردیا اور اس کے 110 ایکڑ کے خطے پر کیتھولک عیسائیوں کے سب سے بڑے رہنما پوپ کی حکومت کو تسلیم کر لیا ♦ 1990 میں جنوبی افریقہ کے رہنما نیلسن منڈیلا 71 برس کی عمر میں 27 سال کی عمر قید کاٹ کر جیل سے رہا ہوئے۔ یہ سزا انھیں جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کا تختہ پلٹنے کی سازش رچنے کے الزام میں دی گئی تھی۔ چار سال بعد 1994 میں وہ ہر رنگ اور نسل کے پہلے عوامی انتخابات میں جیت کے بعد ملک کے صدر چنے گئے۔ 18 جولائی 1918 کو مویزو، جنوبی افریقہ میں پیدا ہونے والے نیلسن منڈیلا کا حال ہی میں 15 دسمبر 2013 کو انتقال ہوگیا ♦ 1911 میں مصر کے صدر حسنی مبارک نے تقریباً 30 برس تک ڈکٹیٹر کی طرح

حکومت کرنے کے بعد ہزاروں نوجوانوں اور طالب علموں کے احتجاج کے آگے مجبور ہوکر حکومت سے استعفیٰ دے دیا۔ قاہرہ، اسکندریہ اور دوسرے مصری شہروں میں یہ احتجاج 18 روز تک مسلسل جاری رہا۔

♦ 1847 میں امریکی موجد تھامس ایڈیسن کی ملان، اوہایو میں پیدائش ہوئی۔ دنیا کی سیکڑوں ایجادات ایڈیسن سے منسوب ہیں۔ اپنی زندگی میں انھوں نے 2000 سے زیادہ ایجادات کا پیٹنٹ کرایا۔ دنیا بھر

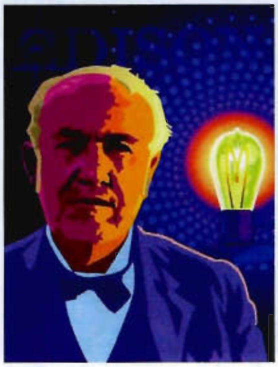

میں زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل دینے والی ان کی ایجادات میں بجلی کا بلب، فونوگراف یا گراموفون اور مووی کیمرہ شامل ہیں۔ ان کی بیشتر ایجادات دوسری بہت سی ایجادات، مثلاً، ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، الیکٹرک ڈائنامو وغیرہ کو بہتر بنانے یا ان میں نئی خوبیاں پیدا کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے تمام پیٹنٹس کی تعداد 2332 ہے۔

12 فروری: 1502 کو واسکوڈی گاما اپنے دوسرے ہندوستانی سفر پر لزبن سے اپنا بحری بیڑا لے کر روانہ ہوا۔ ♦ 1809 میں 16 ویں امریکی صدر ابراہم لنکن ہارڈن کاؤنٹی کینٹکی میں پیدا ہوئے۔ انھوں

نے خانہ جنگی کے دوران امریکہ کی رہنمائی کی اور غلاموں کو آزادی دی۔ ♦ 1809 میں اسی روز انگلینڈ کے شریوز برگ میں مشہور مصنف اور قدرتی معاملات کے ماہر چارلس ڈارون پیدا ہوئے۔ زمین پر زندگی کے ارتقا کے بارے میں لکھی گئی کتاب Origin of the Species ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس نے اس زمین پر موجود تمام جانداروں کے بارے میں مروجہ نظریات کو بدل کر رکھ دیا۔

13 فروری: 1601 کو جان لینکاسٹر کی رہنمائی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے لندن سے اپنا پہلا سفر شروع کیا۔ ♦ 1945 میں یوروپ میں برطانوی اور امریکی ہوائی جہازوں نے دوسری عالمی جنگ کے دوران جرمن شہر ڈریسڈن پر زبردست بم باری کی جس سے اس قدیم تاریخی شہر میں زبردست آگ لگ گئی جو 200 میل دور سے

▲ تاریخی جرمن شہر ڈریسڈن جس کی امریکہ اور برطانیہ نے پہلی عالمی جنگ کے دوران وحشیانہ بم باری کر کے اینٹ سے اینٹ بجادی اور 1.35 لاکھ شہریوں کو ہلاک کر دیا

دیکھی جاسکتی تھی اس بم باری اور آگ میں ایک لاکھ پینتیس ہزار جرمن شہری مارے گئے۔

14 فروری: 1876 کو الیگزینڈر گراہم بیل نے ٹیلی فون ایجاد کیا۔♦ 2000 میں پہلے خلائی جہاز نے کسی ایسٹرائڈ Astroid کا چکّر لگایا۔ امریکی خلائی جہاز ڈان نے زمین سے 11 کروڑ 70 لاکھ میل دور سورج کے گرد گھومنے والے ایسٹرائڈ، ویسٹا کے قریب پہنچنے کے بعد اس کے مدار میں داخل ہو کر گردش کی۔

15 فروری: 1483 کو ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیرالدین محمد بابر آج کل کے ازبکستان میں وادیٔ فرغانہ کے صوبۂ اندی جان میں پیدا ہوا۔وہ منگول بادشاہ تیمور کا پڑپوتا تھا۔♦ 1564 میں ماہر فلکیات Astronomer اور ماہر طبعیات Physicist گیلیلیو گیلیلائی اٹلی کے شہر پیسا میں پیدا ہوا۔ وہ پہلا ماہر فلکیات تھا جس نے دوربین کا

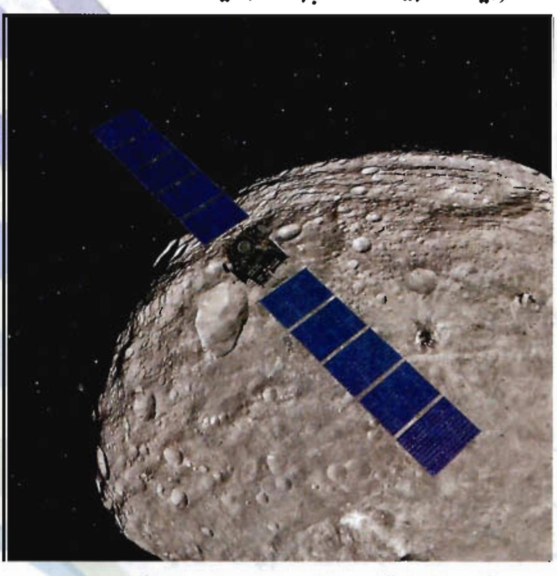

▲ خلائی جہاز ڈان کی بھیجی ہوئی معلومات کی مدد سے بنائی گئی ویسٹا کی تصویر

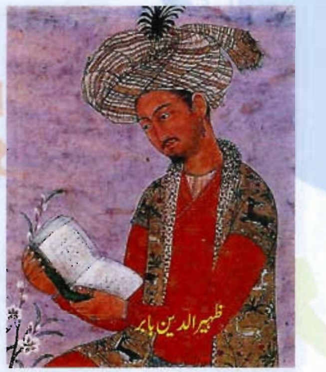

ظہیر الدین بابر

استعمال کرکے ستاروں کا جائزہ لیا اور ثابت کیا کہ زمین نہیں بلکہ سورج شمسی Solar نظام کا مرکز ہے۔ عیسائی چرچ نے اس نظریے کی مخالفت کی اور اسے بائبل میں کہی گئی باتوں کے خلاف قرار دیا جو اس وقت کے پادریوں کے مطابق زمین کو شمسی نظام کا مرکز بتاتی ہے۔ بعد میں گیلیلیو کو شہر بدر کرکے اس کے گھر میں قید کر دیا گیا۔

16 فروری: 1761 کو سوبراؤں کی جنگ میں انگریزوں کے ہاتھوں ہار کے ساتھ پہلی سکھ جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔

17 فروری: 1867 کو پہلا سمندری جہاز سوئیز نہر میں داخل ہوا۔

18 فروری: 1916 کو ہوائی ڈاک کے ساتھ پہلی سرکاری فلائٹ سے ڈاک پہنچائی گئی جب 23 سالہ پائلٹ ہنری پکیٹ نے الہ آباد سے 6500 خط دس کلومیٹر دور نینی پہنچائے۔

19 فروری: 1915 کو جدوجہد آزادی کے رہنما گوپال کرشن گوکھلے کا انتقال ہوگیا۔

گوپال کرشن گوکھلے

◆ 1473 میں ماہر فلکیات نکولس کاپر نِکس پولینڈ کے شہر تورُن میں پیدا ہوا۔ اسے جدید فلکیاتی سائنس کا بانی مانا جاتا۔ گیلیلیو سے بھی پہلے اس نے دوربین کی مدد لیے بغیر ہی یہ تھیوری پیش کردی تھی کہ شمسی نظام کا مرکز زمین نہیں سورج ہے۔

20 فروری: 1947 کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا آخری وائسرائے مقرر کیا گیا۔ ◆ 1707 میں شہنشاہ اورنگ زیب کا انتقال ہوا۔ ◆ 1962 کو جان گلین پہلے امریکی خلاباز بن گئے جنھوں نے خلائی جہاز فرینڈ شپ 7 میں زمین کے گرد خلا میں چکّر پورا کیا۔ اس خلائی سفر میں انھوں نے پانچ گھنٹوں سے کچھ کم وقت میں زمین کے تین چکّر پورے کیے۔ ان سے پہلے ایلن شیپرڈ اور ورجل گس گریسم نے مختصر Sub Orbital خلائی اڑانیں کی تھیں۔ ان سے بھی پہلے روس کے یوری گگارین 12 اپریل 1961 کو خلا میں پرواز کرنے والے پہلے انسان تھے۔ انھوں نے زمین کے گرد ایک چکّر پورا کیا تھا۔

21 فروری: 1965 کو امریکہ کے سیاہ فام مسلم لیڈر میلکم ایکس کو ایک کٹّر پنتھی امریکی گروپ نیشن آف اسلام کے لوگوں نے نیویارک سٹی کے ایک بال روم اس وقت گولیوں سے بھون ڈالا جب وہ تشدد کے بغیر انقلاب لانے کے اپنے نظریے کی تبلیغ کے سلسلے میں تقریر کرنے والے تھے۔

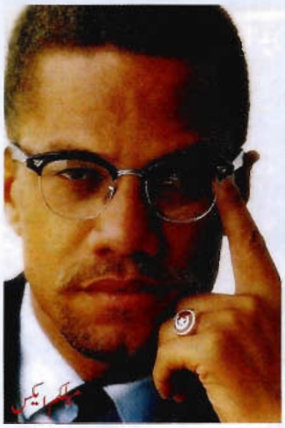

میلکم ایکس

میلکم ایکس جنھوں نے فریضہ حج ادا کرنے کے بعد اپنا نام میلکم شہباز رکھ لیا تھا اور عالیجاہ محمد کے تشدد پسند گروپ نیشن آف اسلام سے رشتہ توڑنے کے بعد امن پسند طریقوں سے سیاہ فام امریکیوں کے حق کی لڑائی لڑنے کے نظریے کو قبول کرلیا تھا قتل کے وقت صرف چالیس سال کے تھے۔ ◆ 1972 میں امریکی صدر رچرڈ نکسن چین کے رہنما ماؤزے تنگ اور وزیراعظم چاؤ این لائی سے بات چیت کے لیے چین آئے۔

22 فروری: 1982 کو مشہور شاعر جوش ملیح آبادی پاکستان میں انتقال کر گئے۔

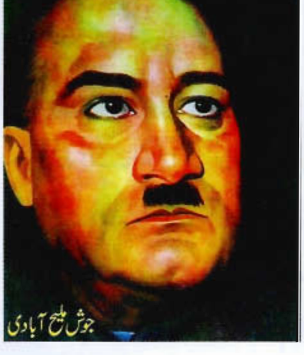

جوش ملیح آبادی

◆ 1732 میں پہلے امریکی صدر جارج واشنگٹن ویسٹر مورلینڈ کاؤنٹی ورجینیا میں پیدا ہوئے۔

23 فروری: 1941 کو پہلی بار پلوٹونیم تیار کیا گیا۔

24 فروری: 1739 کو ایران

▲ بمبئی کی آگ کے مالابار پوائنٹ سے دیکھے گئے منظر کی تصویر، مصور کی نظر سے

کے بادشاہ نادرشاہ درانی کی فوج نے پانی پت کرنال میں مغل شہنشاہ محمد شاہ کی فوج کو ہرادیا۔ ◆ 1786 میں چارلس کارنوالیس ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا

◆ 1582 کو پوپ گریگوری تیرہویں نے جولین کیلینڈر میں آجانے والی خامیوں کو دور کرنے کے لیے اس سال کے دس دن نکال دینے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ 4 اکتوبر 1582 کے بعد اگلے دن کی تاریخ 15 اکتوبر 1582 ہوگی۔ اس نئے کیلینڈر کو جسے گریگورین کیلینڈر کے علاوہ نیو اسٹائل کیلینڈر بھی کہا جاتا ہے سبھی کیتھولک عیسائی ملکوں نے قبول کرلیا۔ بعد میں رفتہ رفتہ باقی ملکوں میں بھی یہ رائج ہوگیا۔

25 فروری: 2012 کو ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے ہندوستان کو پولیو والے ملکوں کی فہرست سے ہٹادیا۔

26 فروری: 1951 کو دو نوجوان سوشلسٹ کارکنوں کارل مارکس اور ان کے دوست فریڈرک اینگلز نے ایک تاریخی کتابچہ جاری کیا جس کا نام تھا 'کمیونسٹ مینی فیسٹو'۔ اس میں نجی جائداد کے حق کو ختم کرنے کے بعد اس کی جگہ ایسا نظام تشکیل دینے کی وکالت کی گئی تھی جس میں مزدوروں کو پیداوار، زمین، کارخانوں اور ان کی مشینوں پر پورا اختیار حاصل ہو۔ کارل مارکس نے بعد میں کمیونسٹ نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا جس نے لاکھوں لوگوں کی سوچ بدل دی اور جس کی بنیاد پر بیسویں صدی میں تقریباً آدھی دنیا پر کمیونسٹ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ ان میں چین ویت نام اور کیوبا وغیرہ کی حکومتیں آج بھی باقی ہیں جب کہ باقی ملکوں میں حکمرانوں کی سختیوں، غیر جمہوری حرکتوں اور دوسری غلطیوں کے سبب کمیونسٹ حکومتیں گر گئیں۔ کارل مارکس بہر حال آج بھی دنیا کے عظیم مفکر مانے جاتے ہیں۔

27 فروری: 1803 کو ممبئی میں جسے ان دنوں بمبئی کہتے تھے زبردست آگ لگی جس سے شہر کا تقریباً ایک تہائی حصہ پوری طرح تباہ ہوگیا۔ اسی کے بعد انگریز حکومت نے شہر کو نئے سرے سے بسانے اور اس میں چوڑی سڑکیں بنانے کا فیصلہ کیا۔ ◆ 1991 کو خلیجی ملک کویت پر عراقی قبضے کے کلاف امریکہ کی ایما پر شروع ہونے والے آپریشن ڈیزرٹ اسٹارم کے تحت 100 گھنٹوں کی زمینی لڑائی کے بعد عراق مخالف اتحادی فوجیں کویت میں داخل ہوگئیں اور عراق کا قبضہ ختم ہوگیا۔

28 فروری: 1963 کو ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ بابو راجندر پرساد کا انتقال ہوگیا۔ ◆ 1986 میں سویڈن کے وزیر اعظم اولوف پالمے کو اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ سنیما گھر میں فلم دیکھ کر باہر آرہے تھے۔

29 فروری: 1896 کو مرارجی دیسائی بمبئی پریذیڈنسی کے ولساڈ میں جو اب گجرات میں ہے، پیدا ہوئے وہ ہندوستان کے چوتھے وزیر اعظم تھے اور ان کی سالگرہ ہر چار سال بعد آتی ہے۔ □

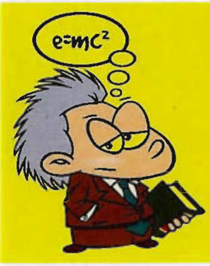

آپ کے سوال
ڈاکٹر بقراط کے جواب

میاں افلاطون: ڈاکٹر صاحب، خوش ہو جائیے۔ آپ کی فین میل بڑھتی جارہی ہے۔ بچّے آپ کے جواب بہت پسند کرنے لگے ہیں، حالانکہ مجھے تو ان میں کوئی خاص بات نہیں دکھائی دیتی سوائے اس کے کہ سوال چھوٹا سا ہوتا ہے اور آپ اس کے جواب کو لمبا کھینچ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر بقراط: تم ٹھیک کہہ رہے ہو کبھی کبھی مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن کئی سوال چھوٹے ہوں پھر بھی ان کے جواب تب تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک بنیادی باتیں نہ بتا دی جائیں۔ خیر، آج کا پہلا سوال کیا ہے۔

افلاطون: آپ نے سمن پورہ، راجہ بازار، پٹنہ، بہار کی رفعت فاطمہ کے ایک سوال کا جواب دیا تھا کہ انڈے میں دو رنگ کا پانی کیوں ہوتا ہے۔ اس کا جواب انھیں اتنا پسند آیا کہ اب دوسرا سوال پوچھ رہی ہیں، جو یہ ہے کہ آسمان میں بجلی کیوں اور کیسے چمکتی ہے۔

ڈاکٹر بقراط: اب دیکھیے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا ہی سوال ہے لیکن جواب اس کا اتنا چھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اسے سمجھنے کے لیے ہمیں کئی باتیں جاننا ہوں گی۔

افلاطون: اجازت ہو تو میں کچھ ٹرائی کروں۔

ڈاکٹر بقراط: ہاں ہاں، بولو۔

افلاطون: بجلی اس لیے چمکتی ہے کہ اس میں چمک ہوتی ہے۔ چمک نہ ہوتی تو وہ بالکل نہ چمکتی۔

ڈاکٹر بقراط: میرا خیال ہے اس سوال کا تعلق بادلوں میں ہونے والی بجلی کی گرج چمک سے ہے۔ اور اس کے لیے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ گرج چمک کی وجہ کیا ہے۔ دراصل اس کائنات میں بجلی کا بڑا زبردست کھیل ہے۔ جسے آپ آگے چل کر اونچی کلاسوں میں سمجھیں اور پڑھیں گے۔ شمسی نظام کے سبھی سیاروں میں بجی کا کرنٹ موجود ہے۔ ہماری زمین میں بھی بجلی ہے۔ زمینی سطح پر بجلی کا مثبت یا پازیٹو چارج ہوتا ہے اور زمین کے ہوائی ماحول میں منفی یا نیگیٹو۔ ان کے درمیان بھی مختلف چیزوں پر مختلف برقی چارج ہوتے ہیں۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ٹھنڈی ہواؤں اور گرم ہواؤں میں بجلی کے مختلف چارج ہوتے ہیں۔ جب گرم ہوا کا ایک بڑا حصہ یا گولا، ٹھنڈی ہوا کے بڑے حصے یا

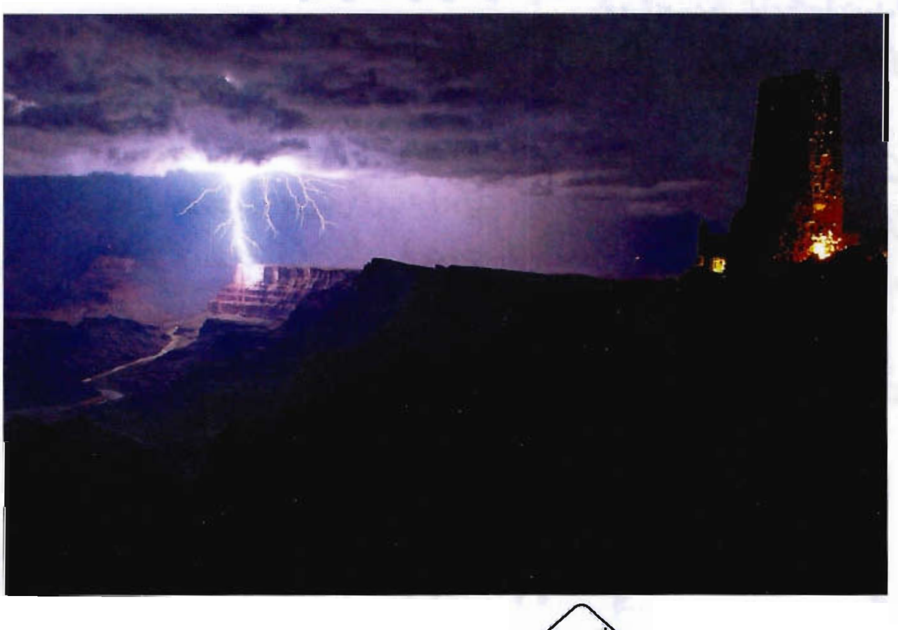

اندر چلا جائے اور عمارت اس بجلی سرکٹ کے بیچ میں نہ آئے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔لیکن گرج چمک صرف بادلوں میں نہیں ہوتی۔ برفیلے علاقوں ، مثلاً جنوبی اور شمالی قطب کے نزدیک والے بے حد سرد علاقوں میں بھی الگ الگ درجہ حرارت والی ہواؤں کے ٹکرانے سے گرج چمک ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے شمسی نظام میں زمین کے علاوہ زہرہ یعنی venus،مشتری یعنی jupiterاور زحل یعنیsaturn پر بھی بجلی چمکتی ہے۔ زمین پر ہر ایک سیکنڈ میں اوسطاً 40 سے 50 مرتبہ بجلی چمکتی ہے۔ میرا خیال ہے اتنا جواب کافی ہوگا۔مگر یہ تم کانپ کیوں رہے ہو؟

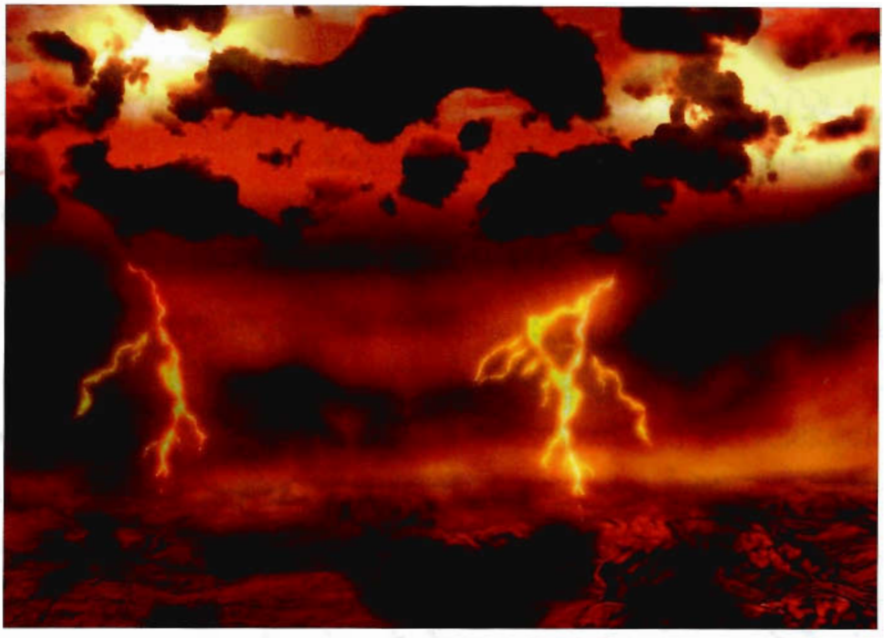

سیارہ زہرہVenus پر بجلی گرنے کا خیالی منظر: مصور کا تصور

افلاطون: آپ نے ابھی بتایا کہ زمین میں پازیٹو بجلی موجود ہے۔اس سے جان کو تو کوئی خطرہ نہیں۔

ڈاکٹر بقراط: خطرہ تو ہے۔ اگر آپ زمین پر ننگے پاؤں کھڑے ہو کر نیگیٹو بجلی کے کسی تار کو چھو لیں جس کا پازیٹو چارج زمین سے جڑا ہوا ہو تو آپ کا جسم اس طرح بننے والے بجلی کے سرکٹ کے بیچ آ جائے گا اور اگر نیگیٹو چارج زیادہ طاقت کا ہوگا تو اس سے جان بھی جا سکتی ہے۔

افلاطون: مگر ڈاکٹر صاحب زمین پر رہتے ہوئے بھی یہ بجلی ہمیں محسوس کیوں نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر بقراط: اس لیے کہ آپ بجلی کے سرکٹ کے بیچ میں نہیں آتے۔اسے یوں سمجھو۔ اگر تم ننگے پاؤں ہو اور کسی نیگیٹو چارج کو نہیں چھوتے تو تمھیں کچھ نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر کوئی تمھیں ہزاروں وولٹ کی بجلی کے تار میں

گولے سے ٹکراتا ہے تو اس سے بجلی کے کرنٹ کا زبردست شارٹ سرکٹ ہوتا ہے اور اس سے گڑگڑاہٹ کی زبردست آواز ہوتی ہے۔بہت پہلے ارسطو نے اس سوال کے جواب میں کہا تھا کہ بجلی بادلوں کے آپس میں ٹکرانے سے چمکتی ہے۔عرصے تک اسے سچ مانا جاتا رہا۔لیکن بعد میں پتہ چلا کہ بادلوں والی بجلی تین طرح کی ہوتی ہے۔ایک تو وہ جو ایک ہی بڑے بادل میں موجود نیگیٹو اور پازیٹو چارج کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسری وہ جو ایک نیگیٹو چارج والے بادل کے پازیٹو چارج والے بادل کے ٹکرانے سے چمکتی ہے۔ اور تیسری سب سے خطرناک بجلی وہ ہوتی ہے جو نیگیٹو چارج والے بادلوں کے بہت نیچے زمین یا اس پر موجود کسی اونچی چیز کے قریب آ جانے سے زبردست شارٹ سرکٹ کی صورت میں چمکتی ہے اور جسے عام بول چال میں بجلی گرنا کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اونچی عمارتوں پر تانبے کے بہت موٹے تار لگا کر ان کا ایک سرا زمین میں کافی اندر تک گاڑ دیا جاتا ہے تا کہ کوئی منفی چارج والا بادل ان عمارتوں کے نزدیک آ جائے تو بجلی کا کرنٹ تانبے کے تار میں ہوتا ہوا سیدھا زمین کے

باندھ کر ہوا میں لٹکا دیا جائے تب بھی تمھیں بجلی سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس تار سے لٹکنے پر تم نے زمین کو چھو لیا تو تم بجلی کے سرکٹ میں آ جاؤ گے اور یہ تمھارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔

افلاطون: کیوں، مجھے کیا ہو جائے گا؟

ڈاکٹر بقراط: کچھ نہیں بس ذرا سا مر جاؤ گے۔

افلاطون: اور یہ چڑیاں جو بجلی کے ننگے تاروں پر بیٹھی رہتی ہیں، انھیں تو کچھ نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر بقراط: ہوتا کیوں نہیں۔ اگر وہ تار پر بیٹھے بیٹھے کھمبے کو یا کسی ایسی چیز کو چھو لیں جو زمین سے جڑی ہوئی ہو تو فوراً جل بھن جائیں گی۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتیں اور عام طور سے تار پر کھمبے سے دور ہی بیٹھتی ہیں۔

افلاطون: اف! خدا خیر کرے بڑا ہی خطرناک جواب تھا۔ اب اگلا سوال وارث علی نے پٹنہ سے ہی پوچھا ہے جو درجہ ہشتم VIII سینٹ کیریسن اسکول کھگول روڈ، پٹنہ میں پڑھتے ہیں۔ جب لائٹ یعنی روشنی پانی کے اندر جاتی ہے تو اس کی رفتار ہوا کے مقابلے کم ہو جاتی ہے اور وہیں اگر آواز پانی کے اندر جاتی ہے تو اس کی رفتار ہوا کے مقابلے زیادہ کیوں ہو جاتی ہے؟

افلاطون: یہ سوال کسی ذاتی مشاہدے کی بنا پر نہیں کیا گیا کیونکہ اول تو روشنی کی رفتار کو ناپنا ہی آسان نہیں، اس پر ہوا اور پانی میں اس کی رفتار کی پیمائش اور بھی مشکل ہے۔ غالباً کہیں کچھ پڑھنے میں آنے کی بنا پر یہ سوال ذہن میں آیا ہے۔ لیکن یہ درست ہے کہ پانی یا کسی بھی شفاف transparent چیز میں روشنی کی رفتار کچھ کم ضرور ہو جاتی ہے۔ دراصل روشنی کی صفت یہ ہے کہ وہ خلا میں سب سے زیادہ رفتار سے چلتی ہے جو 299,792,458 میٹر فی سیکنڈ (186,282.4 میل فی سیکنڈ) یعنی تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ لیکن ہوا میں یہ 299,705 کلومیٹر فی سیکنڈ یعنی اصل رفتار 299,792 کلومیٹر سے تقریباً 88 کلومیٹر فی سیکنڈ کم ہو جاتی ہے۔ پانی چونکہ ہوا سے زیادہ کثیف یعنی گھنا ہوتا ہے اس لیے اس میں یہ اور بھی گھٹ کر 225,563 کلومیٹر فی سیکنڈ ہو جاتی ہے۔ یعنی شفاف میڈیم جتنا کثیف ہوگا روشنی کی رفتار اتنی ہی کم ہو جائے گی۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لیں۔ روشنی کے علاوہ مقناطیسی لہروں، بجلی کے کرنٹ اور ریڈیائی لہروں کی رفتار بھی بے روک ٹوک میڈیم میں یہی مانی گئی ہے۔ یعنی

▲ روشنی کی رفتار کو دکھانے لیے بنائی گئی ایک تصویر

3لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ۔ اور آخری بات یہ کہ عام روشنی جن رنگوں کی شعاعوں سے بنتی ہے ان کی اور دکھائی نہ دینے والی شعاعوں کی رفتاروں میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ لیکن ان کی تفصیل میں ہم نہیں جائیں گے کیونکہ پھر تم کہو گے کہ جواب لمبا کھینچ دیا ہے۔

افلاطون: بڑا کرم ہے آپ کا ورنہ یہ جواب بھی کم طویل نہیں تھا۔ خیر، بیگم پل میرٹھ یوپی سے حنا پروین پوچھتی ہیں کہ کیا بحر ہند دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے اور یہ بھی کہ سب سے گہرا سمندر کہاں ہے۔

ڈاکٹر بقراط: ان دونوں سوالوں کا جواب انٹرنیٹ پر بڑی آسانی سے مل جائے گا۔ دنیا کا سب سے بڑا سمندر بحر الکاہل Pacific Ocean ہے جسے ہندی میں پرشانت مہا ساگر کہتے ہیں۔ یہ 16 کروڑ 52لاکھ مربع کلومیٹر یعنی 6 کروڑ 38لاکھ مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے گہرا سمندر بھی ہے اور اس میں بھی ماریانا ٹرینچ سب سے گہرا مقام ہے جس کی گہرائی 10,911 میٹر یعنی دس کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ اگر ایورسٹ پہاڑ کو نیپال سے اٹھا کر یہاں رکھ دیا جائے تو وہ پورا ڈوب جائے گا اور اس کی چوٹی سطح سمندر سے دو کلومیٹر نیچے ہوگی۔ یہ مقام تین طرف جاپان، چین، فلپائن، انڈونیشیا اور پاپوانیوگنی سے گھرا ہوا ہے اور تیسری طرف سمند کا بڑا حصہ ہے۔ باقی سمندروں کے مقابلے میں یہ سمندر خاصا پرسکون رہتا ہے جس کی وجہ اس کی زیادہ گہرائی ہے۔ اسی لیے اسے کاہل یا شانت سمندر کہا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں سمجھا جاتا تھا کہ چاند زمین سے ٹوٹ کر بنا ہے اور اس ٹکڑے کے الگ ہونے سے ہی بحر الکاہل وجود میں آیا تھا لیکن یہ خیال غلط ہے۔ جدید ریسرچ بتاتی ہے کہ چاند زمین کے وجود میں آنے کے بعد مریخ جتنے بڑے سیاروں کے ٹکراؤ سے وجود میں آیا جن کے ٹکڑے خلا میں بکھر گئے اور سب سے بڑا ٹکڑا چاند زمین کی کششِ ثقل کے اثر میں آکر اس کے گرد گھومنے لگا۔

افلاطون: آخری سوال احمد اباد کے قیصر نواب شیخ کا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں خالص اور پاک صاف پانی کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر بقراط: ہوا کی طرح سو فیصد خالص پانی کا کوئی ذائقہ نہیں ہوتا۔ ...یہ مجھے اس طرح ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہے ہو؟ جواب پورا ہوا۔

افلاطون: کیا کہا۔ جواب پورا ہوا۔ یہ تو کمال ہو گیا!

ڈاکٹر بقراط: خدا حافظ! □

ایک کہانی ہندسوں کی

□ کیفی اعظمی

اک دو تین، چار اور پانچ، چھ اور سات، آٹھ اور نو
ایک جگہ سب رہتے تھے جھگڑے تھے پر اُن میں سَو
نو نے کہا آٹھ کیا
چھوٹے کا ٹھاٹھ کیا
آٹھ ہنسا سات پے
تف تری ذات پے
سات یہ بولا چھے سے
تو ہنسا کیسے
اکڑ اکڑ کے
بگڑ بگڑ کے
جھگڑا جھنجھٹ کھِٹ کھِٹ کرکے سب نے سب کو پھٹکارا
رہ گیا سب کا منہ تکتا سب سے چھوٹا ایک بے چارا

ایک بچارا تنہا تنہا پھرتا تھا آوارہ سا
صفر ملا اسے رستے میں بے قیمت ناکارہ سا

ایک نے پوچھا تم ہو کون اس نے کہا میں صرف صفر
ایک نے سوچا میں بھی کیا سب سے چھوٹا اور کم تر
مل گئے دونوں ہو گئے دس چمکا قسمت کا تارہ

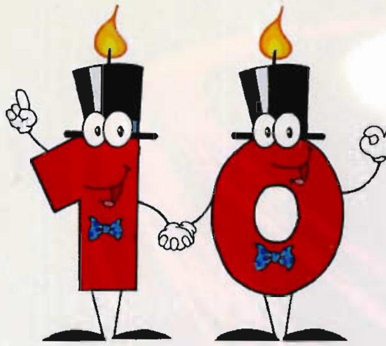

ایک کو جب دس بنتے دیکھا سب نے صفر کو روکا ٹوکا
نو نے پیار سے آنکھ ملائی
آٹھ نے سو سو بات بنائی
سات نے رنگیں جال بچھائے
چھے نے سو طوفان اٹھائے
گھٹا گھٹا کے مٹا مٹا کے
صفر کو اک سے دور ہٹا کے چھینا اک دوجے کا سہارا
ایک بے چارا تنہا تنہا پھرنے لگا پھر سے آوارہ

اک دو تین، چار اور پانچ، چھ اور سات، آٹھ اور نو
ایک جگہ سب رہتے تھے جھگڑے تھے پر اُن میں سَو □

اینڈرسن ترجمہ: اظہر افسر

اصلی شہزادی

اس کہانی کا مصنف اینڈرسن ہے جس کا پورا نام کرسچین اینڈرسن تھا۔ اٹھارہویں صدی کے اس غریب جرمن مصنف نے بچوں کے لیے سینکڑوں کہانیاں لکھیں جن کا دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ دنیا بھر کے بچّے آج بھی بڑے شوق سے اس کی کہانیاں پڑھتے ہیں۔

کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک شہزادہ تھا۔

شہزادہ چاہتا تھا اس کی شادی کسی شہزادی سے ہو، مگر شہزادی اصلی ہو، اس آرزو میں اس نے ساری دنیا کا سفر کیا۔ جگہ جگہ ڈھونڈا کہ اسے کوئی اصلی شہزادی ملے۔ مگر جب کوئی شہزادی ملتی تو کوئی نہ کوئی گڑ بڑ ہو جاتی اور شادی نہ ہو پاتی۔

ایسا نہیں ہے کہ اسے شہزادیاں نہیں ملیں۔ بہت ملیں مگر وہ خود فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ اصلی شہزادی کون سی ہے۔ کسی لڑکی میں کچھ کمی نکلتی کسی میں کچھ۔ آخر کار وہ اپنے محل کو واپس لوٹا۔ بغیر کسی شہزادی کے بہت اداس، بے حد غمگین۔ وہ اصلی شہزادی کو بیوی بنانے کے لئے چن رہا تھا اور اسے اصلی شہزادی نہیں مل رہی تھی۔

ایک شام بہت ہی زبردست اور بھیانک طوفان اٹھا۔

خوب بادل گرجے، بجلیاں کڑکنے لگیں اور تیز بارش شروع ہو گئی چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے میں کسی نے محل کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔

بوڑھا بادشاہ یعنی شہزادے کا باپ اس آواز کو سنتا رہا۔ پھر خود ہی دروازہ کھولنے کو اٹھا۔ بوڑھے بادشاہ نے دروازہ کھولتے ہی دیکھا، باہر ایک نازک سی لڑکی کھڑی ہے جو سچ مچ شہزادی ہے۔ اس آندھی طوفان میں وہ بری طرح کانپ رہی تھی، پانی سے شرابور، کپڑے بھیگ کر اس کے جسم سے چمٹ گئے تھے اور

بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

بوڑھے بادشاہ کو دیکھتے ہی وہ بولی، ''سچ مانیے میں اصلی شہزادی ہوں''اور یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی اندر آ گئی۔

بوڑھی ملکہ جو شہزادہ کی ماں تھی، بولی ''تم اصلی شہزادی ہو یا نہیں، وہ تو ہم ضرور معلوم کریں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیسے معلوم کیا جائے۔''

بوڑھی ملکہ جلدی جلدی سونے کے کمرے میں گئی۔ بستر سے اس نے ساری چادریں نکال دیں۔ پھر بستر پر تین بیج رکھ دیے۔ بوڑھی ملکہ نے ان تین بیجوں پر ایک ایک کر کے بیس توشکیں ڈال دیں۔ پھر ان توشکوں پر بیس پروں والے نرم گدّے بچھا دیئے اور بولی، ''شہزادی، آؤ اور یہاں اس نرم بستر پر سو جاؤ۔''

دوسرے دن صبح سویرے بوڑھا بادشاہ اور ملکہ دونوں شہزادی کے کمرے میں پہنچے۔ بوڑھی ملکہ نے شہزادی سے پوچھا ''کہو رات کیسے گذری؟''

شہزادی دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''آپ لوگ پوچھتے ہیں رات کیسے گذری، بہت بری گذری، میں ساری رات پلک نہ جھپکا سکی، آنکھیں بند ہی نہیں کر سکی۔ پتہ نہیں میرے بستر کے نیچے کیا تھا۔ کوئی سخت چیز میرے نیچے چبھ رہی تھی۔ برابر چبھ رہی تھی، رات بھر میرا جسم کالا اور نیلا ہوتا رہا، بہت تکلیف دی ہے اس سخت چیز نے، پتہ نہیں وہ کیا تھا۔''

بات صاف ہوگئی۔ سچ مچ وہ اصلی شہزادی تھی۔ بیس توشکوں اور بیس نرم نرم بستروں کے باوجود اسے تین بیج چبھ رہے تھے۔ سچ مچ وہ

اصلی شہزادی تھی جو اتنی چھوٹی سی چیز کو بھی بری طرح محسوس کر رہی تھی۔

شہزادہ کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوا اس نے اس لڑکی سے فوراً شادی کر لی اور اپنی ملکہ بنا لیا۔ وہ آخر اصلی شہزادی کو پا چکا تھا۔

پتہ ہے ان تین بیجوں کو اب شاہی میوزیم میں رکھ دیا گیا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے، بشرطیکہ بیج شاہی میوزیم سے کسی نے چوری نہ کر لیے ہوں۔

خیال رہے یہ ایک سچی کہانی ہے! □

یہ کہانی قومی اردو کونسل کی کتاب 'اینڈرسن کی کہانیاں' سے لی گئی ہے

نامعلوم

بابا جانی

بستر پر بیمار پڑے تھے
بابا جانی کروٹ لے کر
ہلکی سی آواز میں بولے
بیٹا کل کیا منگل ہوگا؟؟
گردن موڑے بن میں بولا
بابا کل تو بدھ کا دن ہے
بابا جانی سُن نہ پائے
پھر سے پوچھا، کل کیا دن ہے
تھوڑی گردن موڑ کے میں نے
لہجے میں کچھ زہر ملا کر
منہ کو کان کی سیدھ میں لا کر
زور سے بولا بدھ ہے بابا
آنکھوں میں دو موتی چمکے
سوکھے سے دو ہونٹ بھی لرزے
لہجے میں کچھ شہد ملا کے
بابا بولے بیٹھو بیٹا
چھوڑو دن کو، دن ہیں پورے

تم ہو میرا حصّہ سُن لو
بچپن کا اِک قصّہ سُن لو
یہی جگہ تھی میں تھا تُم تھے
تُم نے پوچھا، رنگ برنگی
پھولوں پر یہ اُڑنے والی
اس کا نام بتاؤ بابا
گال پہ بوسہ دے کر میں نے
پیار سے بولا تتلی بیٹا
تُم نے پوچھا، کیا ہے بابا؟؟
میں پھر بولا تتلی بیٹا
تتلی تتلی کہتے سُنتے
ایک مہینہ پُورا گزرا،
ایک مہینہ پوچھ کے بیٹا
تتلی کہنا سیکھا تم نے

ہر اِک نام جو سیکھا تم نے
کتنی بار وہ پوچھا تم نے
منھ میں تمھارے دانت نہیں تھے
میرے بھی اب دانت نہیں ہیں
تب تھے بابا پاس تمھارے
باتیں کرتے کرتے تم جو
تھک کے گود میں سو جاتے تھے
تب تھے بابا پاس تمھارے
میرے پاس بھی اک بیٹا ہے
بوڑھے سے اِس بچے کے بھی
بابا ہوتے تو سُن لیتے
تب تھے بابا پاس تمھارے
میرے پاس بھی اک بیٹا ہے
میرے پاس بھی اک بیٹا ہے

♦ مرسلہ: پرویز عالم
parveza@alessa.com.sa

□ جولز ورنے ▪ مترجم: صفدر حسین

اَسّی دِن کا سفَر

فرانسیسی مصنف جولز گیبرئیل ورنے Jules Gabriel Verne دنیا میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ناول نگاروں میں شامل ہیں۔ ان کے کئی ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں جن میں اراؤنڈ دی ورلڈ ان ایٹی ڈیز Around the World in Eighty Days بہت مشہور ہوئی۔ یہ ایک ایسے شریف انسان فلیس فوگ Phileas Fogg کی مہم جوئی کا قصہ ہے جو لندن کے ایک کلب میں تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کے ایک ایسے زمانے میں صرف اَسّی دن کے اندر دنیا کا پورا ایک چکّر لگانے کی شرط قبول کر لیتا ہے جب ہوائی جہاز اور موٹریں نہیں تھیں اور پانی کے جہاز بھاپ سے چلتے تھے۔ اب یہ کہانی اپنے دل چسپ انجام کو پہنچ رہی ہے۔ آئندہ شمارے میں آپ اس کی آخری قسط پڑھیں گے۔ مدیر

اب تک کی کہانی: یہ 1872 کی کہانی ہے۔ لندن میں ایک مالدار شخص فلیس فوگ جو وقت، ضابطوں اور قول کا سخت پابند اور شریف انسان تھا ایک بڑے گھر میں تنہا رہتا تھا۔ 2 اکتوبر کو اس کے نوکر کی شامت آئی تو اس نے مالک کو شیو کے لیے 86 ڈگری کی بجائے 84 ڈگری کا گرم پانی لاکر دے دیا۔ فوگ نے اسے نکال کر ایک فرانسیسی شخص ژاں پاسپرٹو کو ملازم رکھ لیا جو بے وقوف مگر ایماندار اور وفادار آدمی تھا۔ اسی روز فوگ اپنے 'ریفارم کلب' پہنچا تو اس کے دوست تین روز پہلے 29 ستمبر کو بنک آف انگلینڈ میں پڑی ڈکیتی کے بارے میں بات کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ اتنی بڑی دنیا میں ڈاکو کو ڈھونڈ پانا ممکن نہیں۔ مگر فوگ کا کہنا تھا کہ انسان کی رفتار نے دنیا کو مختصر کر دیا ہے اور وہ اسّی روز میں پوری دنیا کا چکّر لگا سکتا ہے۔ اس کا دوست اسٹیوارٹ اور دوسرے لوگ اس پر شرط بدنے کو تیار ہو گئے اور فوگ نے 20 ہزار پونڈ کی شرط قبول کر لی۔ شرط کے مطابق فوگ کو اسی روز 2 اکتوبر بدھ کو سفر پر روانہ ہونا تھا جس کے بعد 21 دسمبر سنیچر کی رات 8 بج کر 45 منٹ تک واپسی پر وہ شرط جیت سکتا تھا۔ فوگ اسی رات اپنے خادم پاسپرٹو کو ساتھ لے کر دنیا کے سفر پر نکل پڑا۔ ادھر لندن میں اس سفر کی دھوم مچ گئی۔ شرط پر عام بحث ہونے لگی۔ کچھ لوگ فوگ کے حامی تھے تو کچھ خلاف۔ خفیہ پولیس کا جاسوس فکس ان کے پیچھے لگ گیا اور پاسپرٹو کو دوست بنا کر فوگ کی جاسوسی کرنے لگا۔ سوئیز نہر سے یہ لوگ عدن اور پھر بمبئی پہنچے۔ وہاں سے کلکتہ جانے والی ٹرین پر سوار ہوئے تو راستے میں ایک عجیب واقعے نے انھیں روک لیا۔ ایک جوان بیوہ عورت کو جو بے ہوش تھی اس کے بوڑھے شوہر کی موت کے بعد زندہ جلانے یعنی ستی کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ فوگ اور پاسپرٹو نے اسے ستی ہونے سے بچا لیا۔ اس پڑھی لکھی بیوہ کا نام آؤدا تھا۔ کلکتہ پہنچ کر یہ لوگ سمندری جہاز سے آگے بڑھنے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ فکس نے پاسپرٹو کو بمبئی میں مندر کے پجاریوں سے جھگڑے کے ایک معاملے میں گرفتار کرا دیا۔ لیکن فوگ نے عدالت میں پاسپرٹو پر کیے گئے بھاری جرمانے کی رقم ادا کر دی اور آگے روانہ ہو گیا۔ رنگون سے تیز رفتار جہاز منگولیا پر سوار ہوئے تو فکس بھی جہاز کے ایک کیبن میں چھپ کر پیچھے لگ

گیا۔مگر پاسپرٹو نے اسے دیکھ لیا اور اسے شبہ ہوگیا کہ ریفارم کلب والوں نے اسے ان کی جاسوسی کے لیے پیچھے لگایا ہے۔ جہاز سنگاپور پہنچا اور پھر ہانگ کانگ کے لیے روانہ ہوا جہاں آؤدا کو اس کے رشتہ داروں کے پاس پہنچانا تھا۔لیکن راستے میں طوفان کی وجہ سے جہاز ایک دن لیٹ پہنچا۔ہانگ کانگ میں پتہ چلا کہ آؤدا کا رشتے دار دو سال پہلے ہی شہر چھوڑ کر ہالینڈ جاچکا ہے،اس لیے وہ فوگ کے ساتھ ہی سفر کرنے پر مجبور ہوگئی۔ یہ لوگ ایک جہاز 'کرناٹک' پر سوار ہو کر یوکوہاما، جاپان روانہ ہونے والے تھے جو بندرگاہ میں کسی خرابی کو درست کرانے کے لیے رکا تھا۔تبھی اچانک جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا۔فوگ اور آؤدا شہر میں تھے اور سمجھ رہے تھے کہ جہاز اگلی صبح جائے گا۔ پاسپرٹو ان کی تلاش میں نکل رہا تھا مگر فکس نے اسے زیادہ شراب پلادی اور وہ بے ہوشی کی وجہ سے وہیں رہ گیا۔اگلی صبح فوگ واپس آیا تو جہاز جاچکا تھا۔فوگ نے ایک چھوٹے سے جہاز 'ٹینکاڈری' کے کپتان کو بھاری رقم دے کر جاپان کی بجائے چین کی بندرگاہ شنگھائی پہنچانے کے لیے راضی کرلیا جہاں سے اسے 'امریکہ' کی طرف جانے والا جہاز مل سکتا تھا۔فلیس فوگ اور آؤدا اسی جہاز پر آگے کے سفر کے لیے سوار ہوگئے۔ شنگھائی کے راستے میں زبردست سمندری طوفان اور ان کا جہاز راستے سے بھٹک گیا۔یوکوہاما جانے والے جہاز نے انھیں بچالیا اور یوکوہاما میں انھیں پاسپرٹو بھی مل گیا جو جاسوس فکس کی چالاکی کی بدولت نشے میں دھت ہونے کے بعد کرناٹک نام کے جہاز پر سوار ہو کر پہلے ہی یوکوہاما پہنچ چکا تھا۔وہاں اس نے فوگ یعنی اپنے آقا کو بہت ڈھونڈا اور ناکام ہونے پر امریکہ جانے والی ایک سرکس کمپنی میں بھرتی ہونے پہنچ گیا۔ اتفاق سے فوگ نے اسے دیکھ لیا اور اسے امریکہ جانے والے دخانی جہاز 'جنرل گرانٹ' پر لے آیا۔فکس بھی اسی جہاز کے ایک کیبن میں سوار ہو کر چھپ گیا۔لیکن پاسپرٹو کی تیز نظر سے چھپا نہ رہ سکا۔ پاسپرٹو نے اسے مارا پیٹا اور ڈانٹا پھٹکارا۔فکس نے اپنی چالبازیوں کا اعتراف کرلیا اور نئی چال چلتے ہوئے بھولے پاسپرٹو کو یقین دلا دیا کہ وہ لندن پہنچنے میں اس کے مالک کی مدد کرے گا۔ پاسپرٹو نے اس پر پھر یقین کر لیا۔فوگ ان سب باتوں سے بے خبر تھا اور جنرل گرانٹ بحرالکاہل سے امریکہ کی طرف رواں دواں تھا۔اب آگے پڑھیے:

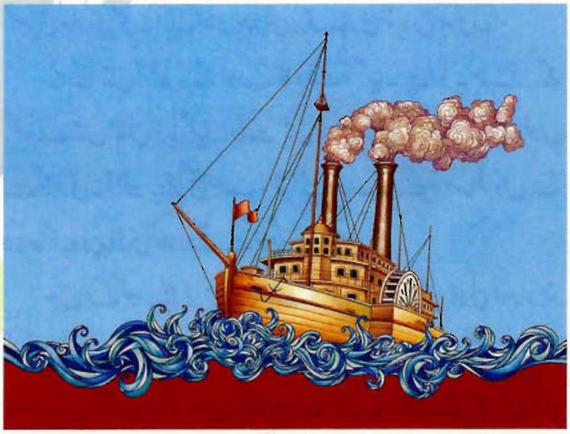

سان فرانسسکو سے روانگی

3 دسمبر کو صبح 7 بجے فلیس فوگ اور آؤدا نے امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔ پاسپرٹو نے امریکہ پہنچنے کی خوشی میں جہاز سے ہوا میں ایک قلابازی لگائی اور شور مچاتا ہوا گودی پر اتر پڑا۔

فلیس فوگ نے جہاز سے اترتے ہی دریافت کیا کہ نیویارک جانے والی ٹرین کب روانہ ہوگی۔ جواب ملا کہ پہلی ٹرین شام میں ٹھیک چھ بجے روانہ ہوتی ہے۔پھر فلیس فوگ اور آؤدا 'انٹرنیشنل ہوٹل' جانے کے لئے ایک گاڑی میں سوار ہوگئے۔ پاسپرٹو اچھل کر کوچوان کے بازو میں بیٹھ گیا۔تینوں نے ہوٹل میں ڈٹ کر کھانا کھایا پھر فلیس فوگ،آؤدا کو ساتھ لے کر برطانوی سفارت گھر گیا اور اپنے پاسپورٹ پر ویزا کی مہر لگوائی۔اتنے میں پاسپرٹو بھی آگیا اور پھر تینوں شہر کی سیر کرنے کے بعد پونے چھ بجے اسٹیشن پہنچ گئے۔فکس بھی اسی ٹرین میں سوار ہوگیا۔ٹھیک چھ بجے ٹرین فرّاٹے بھرتی ہوئی نیویارک کے لئے روانہ ہوگئی۔ ٹرین کے ذریعہ سان فرانسسکو سے نیویارک تک 3786 میل کا فاصلہ ہے اور یہ فاصلہ ٹرین سات دن میں طے کرتی تھی۔فلیس فوگ کو توقع تھی کہ وہ 11 دسمبر تک نیویارک پہنچ جائے گا اور اسی دن اسے لیورپول جانے والا جہاز مل جائے گا۔

شام ہوتے ہوتے ٹرین آک لینڈ اسٹیشن پہنچ گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور سارے آسمان پر کالے بادل گھر آئے۔ٹرین کی رفتار تیز نہیں تھی، بس یہی کوئی 20 میل فی گھنٹہ۔ وہ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر

ٹھہرتی جارہی تھی۔ ایک گھنٹہ بعد ہی برف باری شروع ہوگئی۔

رات میں آٹھ بجے سونے کا وقت آگیا۔ پورا ڈبہ سونے کے کمرے میں بدل دیا گیا۔ رات میں ٹرین کیلی فورنیا کے میدانوں سے گزری۔ آٹھ بجے صبح جب بستر لپیٹے جانے لگے تو مسافروں نے دیکھا کہ وہ پہاڑی علاقے سے گزر رہے ہیں۔

دن کے نو بجے ٹرین ریاست نواڈا میں داخل ہوئی اور رینو اسٹیشن پر ناشتہ کے لئے بیس منٹ تک ٹھہرنے کے بعد پھر چل پڑی۔ راستہ میں انھیں جانوروں کے بڑے بڑے ریوڑ ملے جو کبھی کبھی ریل کی پٹری پر راستہ روکے بیٹھے رہتے۔ کوئی بارہ بجے دس بارہ ہزار بھینسیں آہستہ آہستہ ریل کی پٹری پار کررہی تھیں۔ دل چسپ بات یہ تھی کہ ان بھینسوں کے پٹری پر سے گزرتے گزرتے تین گھنٹے لگ گئے۔ اور اس طرح انھیں وہیں شام ہوگئی۔

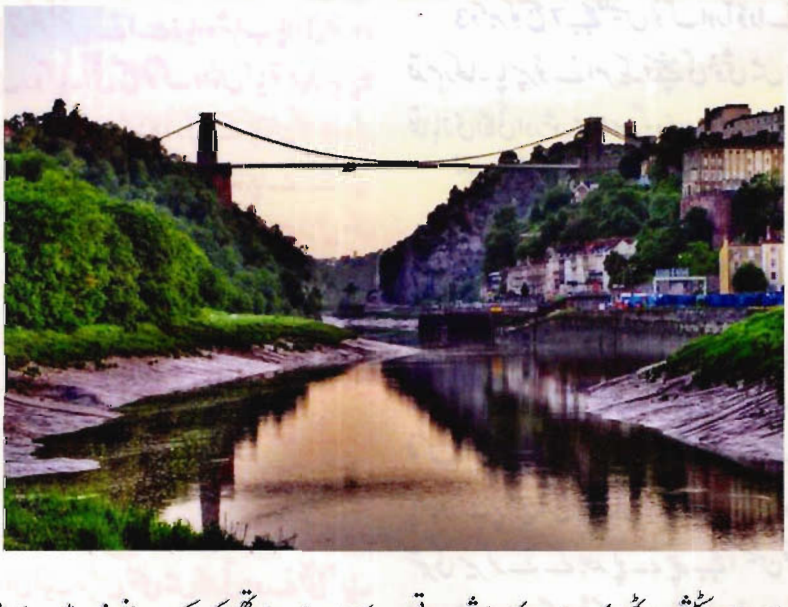

7 دسمبر کو ٹرین پندرہ منٹ کے لیے گرین ریور اسٹیشن پر ٹھہری۔ رات بھر بارش ہوتی رہی اور برف بھی گرتی رہی۔

دن کے گیارہ بجے ٹرین ایسے بلند اور دشوار گزار پہاڑی راستوں سے گزر رہی تھی جو سطح سمندر سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ جب ٹرین میڈیسن بو اسٹیشن کے قریب پہنچی تو ایک واقعہ نے کھلبلی مچادی۔ فلیس فوگ، آؤدا، پاسپرٹو اور فکس تاش کھیل رہے تھے کہ ٹرین نے ایک زوردار لمبی سیٹی دی۔ اس کی رفتار کم ہوتی گئی اور تھوڑی دور جاکر آخر وہ بیچ جنگل میں رک گئی۔ پاسپرٹو نے ڈبے سے باہر سر نکال کر دیکھا تو کوئی اسٹیشن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ٹرین کس وجہ سے ٹھہرائی گئی تھی۔ پاسپرٹو فوراً ڈبے سے باہر کود پڑا۔ ہر طرف برف کی چادر پھیلی ہوئی اور بلا کی سردی تھی۔

لوگ چلانے لگے۔ قریب کے اسٹیشن سے ایک آدمی گاڑی کی طرف بھیجا گیا تھا وہ انجن ڈرائیور اور گارڈ سے کہہ رہا تھا کہ آگے جانا ناممکن ہے۔ اگلے اسٹیشن کے قریب جو پل ہے اس پر سے ٹرین کا گزرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

دریا پر تار کی مضبوط رسیوں اور زنجیروں کی مدد سے ایک جھولنے والا پل بنا ہوا تھا۔ چونکہ وہ پل ستونوں کے سہارے نہیں کھڑا تھا، اس لیے گارڈ کہہ رہا تھا کہ اس پل سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں۔ لیکن انجن ڈرائیور خطرہ مول لینے کو تیار تھا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ تیزی میں پل پر سے گاڑی صاف نکل جائے گی۔ انجن ڈرائیور اور گارڈ میں ابھی یہ بحث ہو ہی رہی تھی کہ ایک مسافر غصہ میں چلایا ''کیا ہمیں یہاں برف میں ٹھہرنا پڑے گا؟''

گارڈ نے جواب دیا ''دوسری ٹرین بھیجنے کے لئے ہم نے اوماہا اسٹیشن کو تار دے دیا ہے اور وہ چار گھنٹے میں آجائے گی۔''

دوسرے مسافر نے برہم ہوکر پوچھا ''لیکن ہم اسٹیشن تک کیسے پہنچ سکیں گے، کیا کشتیوں میں جائیں گے؟''

گارڈ نے نرمی سے جواب دیا ''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ دریا بہت تیز رفتار اور خطرناک ہے۔ البتہ مسافروں کو شمال کی جانب دس میل

چل کر جانا ہوگا جہاں دوسرا پل ہے۔“

پاسپرٹو یہ ساری گفتگو خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ فلیس فوگ کو یہ ساری باتیں بتانے کے لئے جانے ہی والا تھا کہ اس نے گارڈ کا مسافروں سے کہتے سنا ”میرے خیال میں پل پار کرنے کی یہی ایک ترکیب ہے کہ ٹرین کو پل پر سے پوری رفتار سے گزار دیں۔ بس ہم پل پار کرلیں گے۔“

یہ سن کر سارے مسافر اپنے اپنے ڈبوں میں بیٹھ گئے تا کہ انجن ڈرائیور کو اپنا کمال دکھانے کا موقع دیا جائے۔ پاسپرٹو بھی اپنے ڈبے میں سوار ہو گیا، لیکن مالک سے کچھ نہیں بتلایا۔ فلیس فوگ اور اس کے ساتھی ان ساری باتوں سے بے خبر ڈبے میں تاش کھیل رہے تھے۔

انجن نے دو چار لمبی لمبی سیٹیاں دیں۔ ڈرائیور ٹرین کو ایک میل پیچھے لے گیا تا کہ ٹرین زیادہ سے زیادہ رفتار میں پل پار کر سکے۔ پھر انجن نے ایک لمبی سیٹی دی۔ ٹرین آہستہ سے آگے کو بڑھی۔ تیز سے تیز تر ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ ایسا لگتا تھا کہ ٹرین سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑی جاری ہے۔ جیسے کہ اس پٹریوں کی ضرورت ہی نہ ہو۔ پل جھپکتے ہی ٹرین پل سے ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچ گئی۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ اسٹیشن سے پانچ میل دور جا کر ٹھہر سکی۔ جیسے ہی ٹرین نے پل کو پار کیا، ایک زوردار آواز سنائی دی۔ پل ٹوٹ کر دریا میں گر رہا تھا۔

برف گاڑی کا سفر

اسی دن شام میں ٹرین سطح سمندر سے 8091 فٹ بلندی پر سے گزر رہی تھی۔ مسافروں نے سان فرانسسکو سے اس وقت تک 1382 میل کا فاصلہ تین دن اور تین رات میں طے کرلیا تھا اور نیویارک پہنچنے کے لیے ابھی چار دن اور چار راتیں ٹرین ہی میں گزارنی تھیں۔

ٹرین پہاڑی علاقے سے نیچے آتے ہوئے ریاست کولوراڈو سے گزری، جہاں سونے اور چاندی کے کانوں کی بہتات ہے۔ جب ٹرین ریاست نبیراسکا میں داخل ہوئی تو ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکی۔

ٹرین ابھی اسٹیشن سے کچھ دور گئی ہوگی کہ ایک ریڈ انڈین قبیلہ

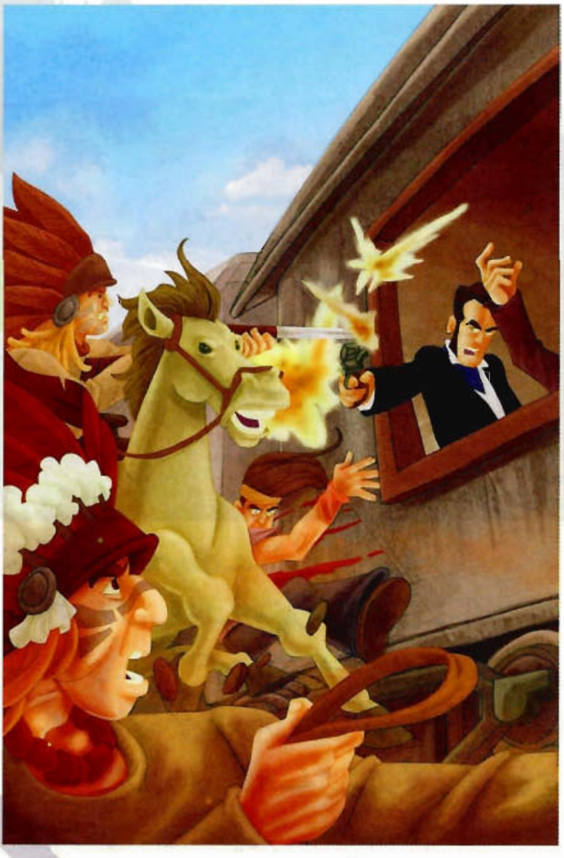

نے دھاوا بول دیا۔ مسافروں کو خوب مارا پیٹا اور سارا سامان لوٹ لیا۔ اس قبیلے کے کوئی سو آدمی ڈبوں کی سیڑھیوں پر سوار ہوگئے۔ ان کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں، پہلے تو ان لوگوں نے انجن ڈرائیور پر حملہ کیا۔ پھر مسافروں پر ٹوٹ پڑے۔ نہتے مسافروں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا آخر پولیس مدد کو آئی تو قبائلی بھاگ کھڑے ہوئے۔

فلیس فوگ، کا بال تک بیکا نہ ہوا تھا۔ آؤدا بھی بالکل محفوظ تھی۔ البتہ فکس کے بازو پر ہلکے سے زخم آئے تھے اور پاسپرٹو اس دفعہ بھی مشکل سے صاف بچ نکلا تھا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ جدھر دیکھو برف ہی برف۔ سردی زوروں پر تھی۔ اب سارے مسافر اوماہا سے دو سو میل کے فاصلہ پر تھے۔ اس حادثہ کی وجہ سے فلیس فوگ کو آٹھ گھنٹے کی دیر ہو چکی تھی۔ فکس نے اپنے مطلب سے پوچھا ”معاف کیجئے! کیا 11 دسمبر کی شام تک

نیویارک پہنچنا بہت ضروری ہے؟''

فلیس فوگ نے جواب دیا''ہاں بہت ضروری ہے۔''

پھر فکس نے کہا''ابھی میں ایک ایسے شخص سے مل چکا ہوں جس کے پاس ایک بہت تیز رفتار سواری ہے۔ کشتی کی شکل کی ایک برف گاڑی، جس میں بادبان لگے ہوئے ہیں۔ اس گاڑی میں پانچ چھ آدمی تو آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔''

فلیس فوگ نے چل کر یہ برف گاڑی دیکھی۔ یہ برف پر چلنے والی ایک کشتی نما گاڑی تھی، جس کے بادبان بھی لگے ہوئے تھے۔ ان دنوں سردی کے موسم میں سخت برف باری کی وجہ سے جب ٹرین رک جایا کرتی تو ایسی برف گاڑیاں مسافروں کو ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن لے جاتی تھیں۔ یہ بادبانی برف گاڑی ہوا کے زور سے برف پر بہت تیزی سے چلتی تھی۔ گاڑی دیکھ کر فلیس فوگ کو اوہاما میں ٹرین پکڑنے کی امید بندھ گئی۔ چنانچہ اس نے فوراً گاڑی کو کرایہ پر لینے کا فیصلہ کرلیا۔

آٹھ بجے برف گاڑی سفر پر روانہ ہونے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ سب مسافر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ سردی سے بچنے کے لئے سفری کمبل اوڑھ لیے۔ یہاں سے اوہاما تک دوسو میل کا سفر اس برف گاڑی میں پانچ گھنٹے میں طے ہوسکتا تھا، بشرطیکہ ہوا کی رفتار کم نہ ہو۔ اس طرح وہ لوگ ایک بجے تک اوہاما تک پہنچ سکتے تھے۔

سفر بہت دلچسپ اور پُر لطف تھا۔ برف گاڑی چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے برف پر پھسلتی جارہی تھی۔ گاڑی کے مالک نے کہا''اگر رستہ میں گاڑی کا کوئی کل پُرزہ نہ ٹوٹے تو ہم وقت پر پہنچ جائیں گے۔''

فلیس فوگ کے دماغ میں بس ایک ہی خیال بسا ہوا تھا کہ وہ کسی بھی طرح وقت پر نیویارک پہنچ جائے تاکہ وہاں کی بندرگاہ سے انگلستان جانے والا جہاز پکڑا جاسکے۔

ایک بجے سے پہلے ہی برف گاڑی اوہاما اسٹیشن پہنچ گئی۔ سب سے پہلے پاسپرٹو اور فکس برف گاڑی سے باہر کود پڑے اور ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں سے مصافحہ کرنے لگے۔ فلیس فوگ نے گاڑی کے مالک کو معقول معاوضہ دیا اور پھر سب اسٹیشن میں داخل ہوئے تو 'شکاگو ایکسپریس' تیار کھڑی تھی۔ وہ سب اسی میں سوار ہوگئے۔

اس رات 'شکاگو ایکسپریس' دریائے مسی سی پی پر سے گزر کر ریاست الی نائے میں داخل ہوئی۔ دوسرے دن 10 دس دسمبر کو 4 بجے شام وہ شکاگو پہنچ گئے۔ جو جھیل مشیگن کے کنارے واقع ہے۔ شکاگو سے نیویارک کا فاصلہ نوسو میل ہے، جس کے لیے بہت سی ٹرینیں ملتی تھیں۔ فلیس فوگ ایک منٹ ضائع کیے بغیر اپنے

ساتھیوں کو لے کر نیویارک جانے والی ٹرین میں سوار ہوگیا۔ یہ ایکسپریس ٹرین انڈیا، اوہایو، پینسلوانیا اور نیوجرسی ہوتی ہوئی دریائے ہڈسن کو پار کرکے رات کے ساڑھے گیارہ بجے نیویارک پہنچ گئی۔

لیکن یہاں بھی قسمت فلیس فوگ کا منہ چڑا رہی تھی۔

لیور پول کی بندرگاہ کو جانے والا جہاز جس کا نام 'چائنا' ان کے نیویارک پہنچنے سے 45 منٹ پہلے ہی بندرگاہ سے انگلینڈ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

فلیس فوگ نئے روپ میں

فلیس فوگ جہازوں کی روانگی کے اوقات سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ دوسری کمپنیوں کے جہاز بھی یورپ جاتے ہیں، لیکن وہ شاید وقت پر انگلستان نہ پہنچ سکیں۔

فلیس فوگ نے 'نیویارک ہوٹل' میں کمرے کرایہ پر لے لیا۔ اس رات چونکہ کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا اس لیے وہ لمبی تان کر سوگیا۔

دوسرے دن یعنی 12 دسمبر کی صبح کو سات بجے سے 21 دسمبر کو رات کے 8 بج کر 45 منٹ تک پورے 9 دن 13 گھنٹے اور 45 منٹ باقی تھے۔ اگر فلیس فوگ نے 'چائنا' جیسا تیز رفتار جہاز پکڑ لیا ہوتا تو وہ یقیناً لیور پول وقت پر پہنچ جاتا۔ جس کا مطلب یہ تھا گویا وہ لندن پہنچ گیا۔

دوسرے دن صبح فلیس فوگ اکیلا ہی نکل پڑا۔ وہ سیدھا بندرگاہ گیا۔ وہاں کئی جہاز گودی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر جہازوں پر 'نیلا جھنڈا' لہرا رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بندرگاہ سے روانہ ہونے ہی والے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا کہ نیویارک کی بندرگاہ سے سو سے زیادہ جہاز دنیا کی مختلف بندرگاہوں کے لیے روانہ نہ ہوتے ہوں۔

فلیس فوگ کی نظر اچانک ایک مال بردار جہاز 'ہنریٹا' پر پڑی جو اسی وقت روانہ ہونے والا تھا۔ وہ ایک کشتی پر بیٹھ کر جہاز پر گیا اور کپتان سے پوچھ گچھ شروع کردی تو کپتان نے کہا ''ہم فرانس کی ایک بندرگاہ بورڈیکس جا رہے ہیں۔''

فلیس فوگ نے پوچھا ''کیا تمہارے جہاز پر کوئی مسافر بھی ہے؟''

کپتان نے جواب دیا ''یہ مال بردار جہاز ہے۔ ہم اس میں مسافر نہیں لیتے۔''

اس کے باوجود فلیس فوگ نے پوچھا ''کیا تم مجھے اور میرے تین ساتھیوں کو اس جہاز میں لیور پول لے چلو گے؟''

''لیور پول! نہ بابا۔ یہ جہاز تو بورڈیکس جا رہا ہے اور یہ صرف بورڈیکس ہی جائے گا۔''

''چاہے میں تمہیں کتنی ہی رقم کیوں نہ دوں'' فوگ نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! کتنی ہی بھاری رقم کیوں نہ دو۔ میں تمہیں اس جہاز پر نہیں لے جاؤں گا۔'' کپتان نے قطعی جواب دیا۔

''شاید... جہاز کا مالک اس کے لئے تیار ہو جائے۔''

کپتان نے کہا ”میں ہی اس کا مالک ہوں، یہ جہاز میرا ہے۔“

اس وقت تک تو فلیس فوگ یہی سمجھتا رہا کہ روپیہ سے ہر مشکل آسان ہوسکتی ہے لیکن اب اس نے ایسا محسوس کیا کہ روپے سے بھی یہ کام نہیں بنے گا۔ لیکن اسے تو بہر قیمت انگلستان وقت پر پہنچنا تھا۔

”اچھا کیا تم دو ہزار ڈالر میں ہمیں بورڈیکس لے جاؤ گے؟“

”فی کس دو ہزار“ کپتان نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں فی کس دو ہزار اور ہم چار آدمی ہیں۔“ فلیس فوگ نے جواب دیا۔ یہ سن کر کپتان سر کھجانے لگا۔ اس نے سوچا کہ اتنے کرایہ میں تو یہ مسافر، مسافر نہیں رہے بلکہ قیمتی مال بن گئے ہیں۔

کپتان نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا ”اچھا تو میں ٹھیک نو بجے روانہ ہو جاؤں گا۔“ اس وقت ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

”ہم ٹھیک نو بجے جہاز پر پہنچ جائیں گے۔“ فلیس فوگ نے جواب دیا۔ پھر فلیس فوگ ہوٹل گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی آؤدا، پاسپرٹو اور فکس کو گودی پر لے آیا اور سب ’ہنریٹا‘ پر سوار ہو گئے۔

دوسرے دن 13 دسمبر کو دوپہر کے وقت ’ہنریٹا‘ جہاز کے ڈیک پر ایک شخص کھڑا ملاحوں کو جہاز سے متعلق حکم دے رہا تھا۔

یہ شخص بلاشبہ، جہاز کا کپتان ہی ہوگا۔ مگر نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ اور کوئی نہیں فلیس فوگ تھا۔

جہاز کے کپتان کو اس کے کیبن میں بند کر دیا گیا تھا، جہاں وہ چلّا رہا تھا۔ فلیس فوگ سے یہی امید تھی۔ کپتان اور فلیس فوگ کی گفتگو سے یہ صاف ظاہر تھا کہ اس دوران میں کیا ہوا ہوگا؟ فلیس فوگ لیور پول جانا چاہتا تھا مگر جہاز کا کپتان بورڈیکس جانے پر بضد تھا۔ اس لئے ان تیس گھنٹوں میں فلیس فوگ نے اپنی دولت کا صحیح کا استعمال کیا۔ اس نے روپوں کا لالچ دے کر کپتان کے سوا جہاز کے سارے ملاحوں کو اپنا ہم نوا بنالیا۔

کپتان کو اس کے کیبن میں بند کر دیا اور خود کپتان بن بیٹھا۔ اور اب جہاز بورڈیکس کی بجائے لیور پول کی طرف جا رہا تھا۔

نئے کپتان کی سرکردگی میں جہاز اچھی طرح چلتا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ فلیس فوگ کسی وقت ایک تجربہ کار، ماہر ملاح رہ چکا ہے۔ ’ہنریٹا‘ جہاز کافی تیز رفتار سے چل رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا نیویارک سے لیور پول کا تین ہزار میل کا فاصلہ وہ نو دنوں میں ضرور طے کر لے گا۔

16 دسمبر تک ’ہنریٹا‘ جہاز آدھے سے زیادہ بحر اوقیانوس کو پار کر چکا تھا۔ اسی روز جہاز کا انجینئر فلیس فوگ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم بہت زیادہ کوئلہ استعمال کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ باقی کوئلہ سفر کے لئے ناکافی ہو۔ یہ کوئلہ بورڈیکس کے لیے تو بہت کافی ہے لیکن لیور پول تک پہنچنے کے لئے ناکافی ہوگا۔

یہ سن کر فلیس فوگ نے اطمینان سے کہا ”اچھا اس پر میں غور کروں گا۔“ پھر شام میں اس نے انجینئر کو بلایا اور کہا ”جہاز کو اس وقت تک پوری رفتار سے چلاتے رہو جب تک کہ پورا کوئلہ ختم نہ ہو جائے۔“

تھوڑی ہی دیر بعد جہاز کی چمنی سے دھوئیں کے گہرے بادل اٹھنے لگے۔

دو دن بعد انجینئر نے پھر اطلاع دی کہ کوئلہ بس اور ایک دن تک

کام دے سکے گا۔ فلیس فوگ نے اطمینان سے کہا ''جہاز اور تیز چلاؤ۔'' پھر اس نے کپتان کو بلوایا۔

کپتان اپنے بند کیبن سے ایسے نکلا جیسے شیر پنجرے سے دھاڑتا ہوا نکلتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔

''ہم کہاں ہیں؟'' اس کا پہلا سوال یہی تھا۔ مارے غصہ کے اس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے پھر غضب ناک ہوکر کہا ''ہم کہاں ہیں؟''

فلیس فوگ نے ٹھنڈے لہجے میں کہا ''ابھی ہم لیور پول سے ساتھ سو میل دور ہیں۔''

کپتان غصہ میں چلایا ''تم قزاق ہو۔''

''میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ...''

''ڈاکو ہو ڈاکو!'' کپتان فلیس فوگ پر برس پڑا۔

''میں نے تمہیں صرف یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ تم اپنا جہاز مجھے بیچ دو۔ میں اسے جلانا چاہتا ہوں۔''

کپتان غصہ سے چلانے لگا 'تم میرا جہاز جلاؤ گے؟ یہ جہاز پچاس ہزار ڈالر کا ہے۔''

فلیس فوگ اطمینان سے کہتا گیا ''میں صرف جہاز کا اوپری حصہ جلاؤں گا، جو لکڑی سے بنا ہوا ہے۔ جہاز کا کوئلہ ختم ہو چکا ہے، اب ہمیں کوئلہ کی سخت ضرورت ہے۔ یہ لو ساٹھ ہزار ڈالر...''

کپتان اتنی بھاری رقم دیکھ کر چکرا گیا۔ لمحہ بھر میں اس کا غصہ کافور ہوگیا۔ 'ہنریٹا' کوئی بیس سال پرانا جہاز تھا۔ اس نے سوچا کہ اس سے بہتر سودا نہیں ہوسکتا۔

کپتان نے رضامند ہوکر پوچھا ''تم تو صرف لکڑی لینا چاہتے ہو، لوہے کا ڈھانچہ تو میرا ہے نا۔''

فلیس فوگ نے جواب دیا ''ہاں اور اس کی مشین میری ہوگی؟''

کپتان نے کہا ''ہاں'' اور پھر اس نے چپکے سے نوٹوں کا بنڈل جیب میں رکھ لیا تو فلیس فوگ نے کہا ''تمہیں یہ سن کر تعجب تو نہ ہوگا کہ اگر میں 21 دسمبر کی رات 8 بج کر 45 منٹ پر لندن نہ پہنچ سکا تو میں بیس ہزار پونڈ ہار جاؤں گا۔ خیر اب یہ جہاز میرا ہے۔''

''یقیناً اس کی ساری لکڑی تمہاری ہے۔'' کپتان نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

لیور پول تک پہنچنے کے لئے کافی مقدار میں کوئلہ کی ضرورت تھی۔ جہاز سے جتنی لکڑی نکل سکتی تھی نکالی گئی تاکہ ایندھن کے طور پر استعمال کی جا سکے۔ 20 دسمبر کو رات میں دس بجے 'ہنریٹا' جہاز کوئنس ٹاؤن سے گزر رہا تھا۔ اب وہ لیور پول سے زیادہ دور نہ تھا۔ کپتان نے کہا ''مجھے تو تمہارے حال پر رحم آتا ہے۔ تم نے ہر ممکن کوشش کی لیکن قسمت نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ سچ پوچھو تو تم نے ایسا کام کیا جو تمہارے بس میں نہ تھا۔ ہم تو صرف کوئینس ٹاؤن تک پہنچے ہیں، ابھی تو لیور پول بہت دور ہے۔''

فلیس فوگ وقت بچانے کی غرض سے لیور پول پر اترنے کی بجائے دن کے ایک بجے کوئینس ٹاؤن پر ہی اتر گیا اور ٹرین میں سوار ہوکر ڈبلن کے لئے روانہ ہوگیا۔ رات کے ڈیڑھ بجے وہ سب ڈبلن پہنچے اور دوسرے تیز رفتار جہاز سے 21 دسمبر کو 11 بج کر 40 منٹ پر لیور پول پر پہنچ گئے۔ اب لندن پہنچنے میں صرف چھ گھنٹے درکار تھے۔ اسی وقت فکس، فلیس فوگ کے پاس آیا۔ گرفتاری کا وارنٹ دکھلا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''ہاں تو تم ہی فلیس فوگ ہو نا؟''

''ہاں۔''

''ملکہ کے حکم سے میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔'' جاری□

شبنم پروین

باسکٹ بال

باسکٹ بال، جس کا اردو ترجمہ آپ چاہیں تو 'ٹوکری گیند' یا 'چھینکا گیند' بھی کر سکتے ہیں، ٹینس جیسے کورٹ پر کھیلا جانے والا ایک دل چسپ کھیل ہے جو دنیا کے اور ملکوں میں تو کافی مقبول ہے مگر ہمارے یہاں یہ دوسرے کھیلوں کے مقابلے میں کم کھیلا جاتا ہے۔ مگر یہ ہے بڑا دل چسپ کھیل۔ اس میں پانچ پانچ کھلاڑیوں کی دو ٹیمیں ہوتی ہیں اور ہر ٹیم کے کورٹ میں کنارے پر کھمبے کے سہارے رسّی کے پھندوں سے بنی ایک کھلی ٹوکری لٹکی رہتی ہے جس میں مخالف ٹیم کے سبھی کھلاڑی، فٹ بال جتنی بڑی اس گیند کو اچھال کر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ ٹوکری چونکہ اوپر نیچے دونوں طرف سے کھلی رہتی ہے اس لیے اوپر کی طرف سے ڈالی گئی گیند فوراً نیچے آجاتی ہے اور یوں یہ کھیل بلا روک ٹوک بڑی تیز رفتار سے جاری رہتا ہے۔

باسکٹ بال کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ 1891 میں نیو انگلینڈ (امریکہ) کے ایک فزیکل ٹرینر جیمس نائی اسمتھ Dr James Naismith نے ایک روز لگاتار بارش ہونے پر اپنی جم کی کلاس جاری رکھنے کے لیے اس کھیل کا نقشہ بنایا تھا۔ اس کے شاگردوں نے کئی مشورے دیے مگر ان کا بتایا ہوا کوئی بھی کھیل ایسا نہیں تھا جو جمنازیم کی چار دیواری میں کھیلا جا سکتا۔ آخر اس نے آمنے سامنے کی دو دیواروں پر 10 فٹ کی اونچائی سے ایک ایک ٹوکری لٹکائی، کھیل کے اصول ایک کاغذ پر لکھ لیے اور یوں ایک نیا کھیل ایجاد ہو گیا۔ دو ٹیمیں بنا کر کھلاڑیوں سے کہا گیا کہ وہ گیند کو اچھال کر ٹوکری میں ڈالنے کی کوشش کریں۔ جس ٹیم کی ٹوکری میں گیند

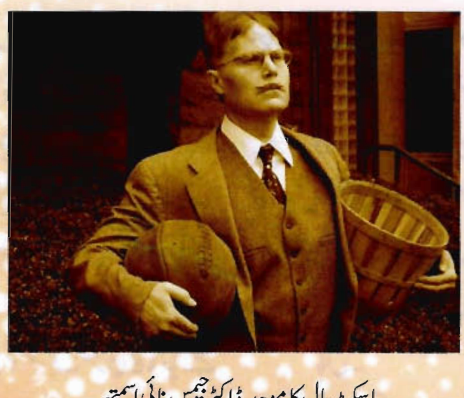

باسکٹ بال کا موجد ڈاکٹر جیمس نائی اسمتھ

ایک مرتبہ پہنچ جاتی تھی اس پر ایک پوائنٹ اسکور ہو جاتا تھا۔ یوں باسکٹ بال شروع ہوگیا اور اس نے باقاعدہ ایک کھیل کی شکل اختیار کرلی۔ کھیل کی ابتدا ضرور چار دیواری میں بند جمنازیم سے ہوئی تھی لیکن بعد میں اسے کھلے میدان میں کھیلا جانے لگا جس میں باسکٹ دونوں طرف گاڑے گئے پول یا کھمبوں سے لٹکائی جاتی تھی۔

تب سے اب تک اس کھیل میں کئی تبدیلیاں آچکی ہیں جن میں سب سے بڑی تبدیلی یہ ہے کہ پہلے ٹوکری ایک چھینکے کی شکل میں ہوتی تھی۔ گیند اس میں پہنچ جاتی تھی تو پوائنٹ اسکور ہونے کے بعد کھلاڑی ہی اسے پول پر چڑھ کر باہر نکالا کرتے تھے۔ اس سے نہ صرف کھیل میں اچھا خاصا وقت برباد ہوتا تھا بلکہ کئی بار کھمبا بھی ٹوٹ جاتا تھا۔ چنانچہ آگے چل کر باسکٹ کا پیندا کاٹ دیا گیا اور گیند باسکٹ میں پہنچنے کے بعد خود بخود نیچے آنے لگی۔

باسکٹ بال کو یہ نام اس کے موجد ڈاکٹر جیمس نے ہی دیا تھا۔ اس کا پہلا باقاعدہ میچ 20 جنوری 1892 میں نیویارک شہر کے وائی ایم سی اے جمنازیم البینی میں 9 کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلا گیا۔ تقریباً پانچ سال بعد 9 کھلاڑیوں کی قید ہٹا کر وہی پانچ کھلاڑیوں والا پرانا فارمولہ اختیار کرلیا گیا۔ وائی ایم سی اے سے نکل کر بعد میں یہ کھیل کالجوں اور یونیورسٹی کی سطح پر کھیلا جانے لگا۔ اس طرح یہ پورے

امریکہ میں پھیل گیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں یہ کھیل امریکہ سے باہر پھیلنے لگا اور بالآخر 1932 میں آٹھ ملکوں ارجنٹائنا، چیکوسلوواکیہ، یونان، اٹلی، لٹویا، پرتگال، رومانیہ اور سوئٹزرلینڈ نے انٹرنیشنل باسکٹ بال فیڈریشن کی بنیاد ڈالی۔ 1936 کے برلن اولمپک مقابلوں میں مرد کھلاڑیوں کے باسکٹ بال کھیل کو اولمپک میں داخلہ ملا اور پہلے فائنل میں امریکہ نے کناڈا کو شکست دی۔

1950 میں فیبا FIBA یعنی انٹرنیشنل فیڈریشن آف فٹ بال ایسوسی ایشنز کا پہلا عالمی مقابلہ ارجنٹائنا میں منعقد ہوا۔ تین سال بعد FIBA کے ہی تحت چلی Chile میں عورتوں کے عالمی باسکٹ مقابلوں کا آغاز ہوا۔ اولمپک میں خواتین کی باسکٹ بال کو 1976 کے مانٹریال اولمپک سے داخلہ ملا۔ 1989 میں فیبا نے امیچر (شوقیہ) اور پروفیشنل (پیشہ ور) کھلاڑیوں میں فرق کرنا چھوڑ دیا اور یوں 1992 سے پروفیشنل کھلاڑی بھی اولمپک کے مقابلوں میں کھیلنے لگے۔

ہندوستان میں حالانکہ باسکٹ بال کا کھیل زیادہ مقبول نہیں ہوا پھر بھی ہندوستانی باسکٹ بال ٹیم ایشیا کی سب سے پرانی باسکٹ ٹیموں میں سے ایک ہے جسے 1936 میں ہی FIBA کی رکنیت حاصل ہو گئی تھی۔ ہندوستانی

ایک ہندوستانی باسکٹ بال ٹیم ▼

باسکٹ بال ٹیم FIBA کی تاریخ میں اب تک 22 مرتبہ کوالیفائی کر چکی ہے اور اس عالمی چیمپئن شپ مقابلے میں سب سے زیادہ مرتبہ کھیلنے والی پانچ بڑی ٹیموں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ انٹرنیشنل اسٹیج پر

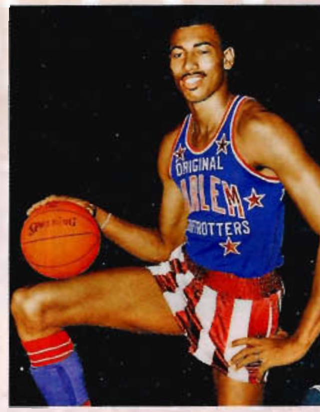

دنیا کا بہترین باسکٹ بال کھلاڑی ولٹ چیمبرلین

پہلی مرتبہ ہماری ٹیم 1965 کے ایشیائی باسکٹ بال مقابلوں میں کھیلنے کے لیے اتری تھی۔ اس کے بعد ہماری ٹیم مستقل ان مقابلوں میں حصہ لیتی رہی لیکن ملک کے اندر شائقین کی بھرپور حوصلہ افزائی نہ ملنے کی وجہ سے وہ کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دے پائی۔ صرف 1975 ایک ایسا سال تھا جب ہندوستانی ٹیم ایشیائی مقابلے کی چار بڑی ٹیموں میں اپنا شمار کرا سکی۔ یعنی سیمی فائنل تک پہنچ گئی۔ لیکن اس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکی۔

اولمپک میں ہماری ٹیم صرف 1980 کے اولمپک مقابلوں حصہ لینے کے قابل ہوئی۔ اور وہ بھی اس لیے کہ امریکہ اور اس کے ساتھی ملکوں نے ماسکو میں ہونے والے ان کھیلوں کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ٹیم شروع کے اپنے تینوں میچ ہار گئی اور مقابلے سے باہر ہو گئی۔ ان میں صرف ایک میچ ایسا رہا جس میں ہندوستانی ٹیم کے جیتنے کی کچھ امید پیدا ہوئی تھی۔ یہ میچ دنیا کی سب سے بہترین باسکٹ بال ٹیموں میں گنی جانے والی آسٹریلیا کی ٹیم کے خلاف ہوا تھا جس میں پہلے ہاف میں ٹیم انڈیا 37-41 سے آگے رہی۔ تاہم میچ آخرکار 93-75 کے اسکور پر آسٹریلیا کے حق میں ختم ہوا۔

ہندوستان میں اب تک کا سب سے کامیاب باسکٹ بال کھلاڑی سوز اسنگر ییر رابنسن کو مانا جاتا ہے جنھوں نے ایک مرتبہ ایشیا کی سب سے اچھی باسکٹ بال ٹیموں میں گنی جانے والی ساؤتھ کوریا پر ہندوستان کو فتح دلائی تھی۔ لیکن بعد میں ہندوستان میں اس کھیل کی طرف توجہ نہ دیے جانے کی وجہ سے انھوں نے کھیل سے بہت پہلے ریٹائرمنٹ لے لیا۔

ہندوستان کا بہترین کھلاڑی سوز وسنگرائیر رابنسن

حال کے دنوں میں ابھرتے ہوئے کھلاڑیوں میں اجیوت سنگھ، ست نام سنگھ بھمارا، ہریش کروتھ، پرکاش مشرا، دشانت ویل شاہ، وشیش بھریگو ونشی، امت پال سنگھ، نریندر کمار گریوال، تردیپ رائے، تلوندر جیت سنگھ اور یادویندر سنگھ کے نام لیے جاتے ہیں۔

دنیا کے مشہور باسکٹ بال کھلاڑیوں میں امریکہ کے ولٹر نارمن چیمبرلین، لیری جو برڈ، ایرون جانسن جونیئر اور مائیکل جیفری جارڈن اور کروئیشیا کے ڈریزن پیترووک شامل ہیں۔ دنیا سب سے اچھی باسکٹ بال ٹیمیں یوں تو امریکہ کی ہی ہیں، لیکن سربیا (پہلے اسے یوگوسلاویہ کہتے تھے) کا کوئی جواب نہیں ہے۔ سربیا کی ٹیم پانچ بار گولڈ میڈل تین بار سلور میڈل اور دو بار کانسے کا میڈل حاصل کر چکی ہے۔ دوسرے نمبر پر امریکہ ہے جس نے یوں تو FIBA کے مقابلوں میں سربیا سے زیادہ، 11 میڈل حاصل کئے ہیں لیکن اس کے گولڈ میڈل چار ہیں۔ تیسرے نمبر پر سوویت یونین کی ٹیم تھی اور اس کے بعد برازیل، ارجنٹائنا، اسپین، روس، یونان، ترکی، چلی، کروئیشیا، جرمنی، لٹوانیا اور فلپائن کا نمبر آتا ہے۔

ہندوستان نے جنوبی ایشیا کے مقابلوں میں اب تک تین مرتبہ گولڈ میڈل حاصل کیا ہے لیکن اس سے اوپر کے مقابلوں میں اسے کوئی تمغہ ابھی تک نہیں ملا ہے۔ ان مقابلوں میں ٹاپ ٹین میں بھی کبھی ہندوستان آئے گا یا نہیں یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ □

ادارہ

یہ مزے مزے کی حکائتیں...

◆ کنجوس باپ نے بیٹی کو نصیحت کی: گلی میں چلو تو نظریں نیچی رکھو۔
بیٹی نے پوچھا: کیوں؟
باپ نے کہا: اس سے تمھاری عزت بڑھے گی اور سڑک پر پڑے پیسے ملنے کا چانس بھی بڑھ جائے گا۔

◆ سنتا: یار اٹھ۔ زلزلہ آرہا ہے۔ سارا گھر ہل رہا ہے۔
بنتا: سوجا یار۔ گھر گرے گا تو مکان مالک کا۔ ہم تو کرایہ دار ہیں۔

مومن شکیب انور نہال احمد، مالیگاؤں

◆ ایک شخص نے رنگریز کو کپڑا دیتے ہوئے کہا کہ اسے ایسے رنگ میں رنگ دو جو نہ سرخ ہو، نہ سبز نہ جامنی، نہ گلابی، نہ پیلا، نہ نارنگی۔
رنگریز نے کہا ٹھیک ہے۔
اس شخص نے پوچھا کہ کب لینے آؤں؟
رنگریز نے جوب دیا: بس اس روز آجانا جب نہ اتوار ہو نہ پیر، نہ منگل، بدھ، جمعرات نہ جمعہ اور سنیچر!

نامعلوم، فون نمبر 8888923899

◆ مسجد نبویؐ میں کھانا تقسیم ہو رہا تھا۔ ایک مسافر نے کھانا لینے کے بعد کھانا دینے والے سے کہا، ''ایک آدمی کا کھانا اور دے دو۔ میں نے ایک مسافر کو دیکھا ہے جو مسجد میں خشک روٹی پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے۔''
کھانا دینے والے نے کہا، ''یہ کھانا ان ہی کی طرف سے تقسیم ہو رہا ہے اور وہ حضرت علیؓ ہیں۔''

افشاں فارانی، مالیگاؤں مہاراشٹر

◆ امتحان میں فیل ہونے کی وجہ کیا ہے؟
ایک سال کے 365 دن ہوتے ہیں۔ روز 8 گھنٹے سونے کے 122 دن ہوئے وہ نکال دو۔ بچے 243 دن۔ دیوالی عید ہولی وغیرہ اور گرمیوں کی چھٹّی کے 61 دن بھی نکال دو۔ بچے 182 دن۔ ان میں سے 52 اتوار بھی نکالو۔ رہ گئے 130 دن۔ فیسٹیول کے 40 دن اور کالج فیسٹیول 15 دن یعنی کل 55 دن اور نکال دو۔ اب بچے 75 دن۔ کھانے پینے اور نہانے میں روز کم سے کم 3 گھنٹے لگتے ہیں، جن کے دن ہوئے 46۔ یہ نکال دو تو بچتے ہیں 29 دن۔ روز کا ایک گھنٹہ دوستوں کے ساتھ گزارنے کے بنے 15 دن اب بچیں گے 14 دن۔ دس دن آدمی سال بھر میں بیمار بھی رہتا ہے۔ بچے 4 دن۔ ٹی وی دیکھنے میں بھی کم سے کم تین دن تو لگ ہی جائیں گے۔ اس کے بعد بچا صرف ایک دن۔ اب سال میں ایک ہی دن تو برتھ ڈے آتا ہے۔ تم ہی بتاؤ اپنے برتھ ڈے پر کون پڑھتا ہے یار!

شیریں صبا، ناگپور

◆ استاد شاگرد سے: سمندر کے بیچ میں امرود کا درخت ہو تو تم امرود کیسے توڑو گے؟
شاگرد: چڑیا بن کر
استاد: انسان چڑیا کیسے بن سکتا ہے
شاگرد: تو پھر سمندر کے بیچ درخت کیسے اگ سکتا ہے؟

انشرا، جلگاؤں

◆ میں نے اپنی لائف میں بہت ... دھوکے کھائے ہیں۔ سیب، آم، امرود، مولی، گاجر، پپیتے، ٹنڈے، آلو، ٹماٹر سب دھو کے کھائے ہیں۔ اور آپ نے؟

عفت ماریہ، ناگپور

ضروری گزارش: اب آپ اپنے ایس ایم ایس صرف فون نمبر: 9810246182 پر بھیجیں۔ اچھی اچھی باتیں لکھیں اور ناشائستہ لطائف ہرگز نہ بھیجیں۔ ادارہ

ذہنی آزمائش
دس لفظ

اردو میں استعمال ہونے والے ان دس لفظوں کے صحیح معنی تلاش کیجیے۔ ہر لفظ کے لیے چار جواب دیے گئے ہیں جن میں ایک جواب صحیح ہے۔ ہر صحیح جواب پر پانچ نمبر ملیں گے۔ پہلے اپنی سمجھ سے صحیح جواب پر نشان لگائیے۔ اس کے بعد انھیں نیچے دیے گئے صحیح جوابات سے ملائیے۔ صحیح جواب پر ملنے والے نمبر جوڑتے جائیے اور پھر دیکھیے کہ نتیجہ کیا آتا ہے۔ نتیجہ ان سوالوں کے آخر میں ہے۔ اور ہاں: لغت سے نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پوری ایمانداری سے سوالوں کے جواب دیں۔ گھڑی سامنے رکھیں کیونکہ ہر سوال پر صرف دو منٹ سوچنے کے لیے دیے جائیں گے۔

1۔ دُخانی: پٹھانوں کا خطاب/ دو خانوں والی الماری/ دھوئیں یا بھاپ سے متعلق معاملہ/ طب یونانی کی ایک دوا

2۔ دریوزہ گر: پھٹے کپڑے کو سینے والا/ دروازے کا محافظ/ کدّو سے مٹھائی بنانے والا/ بھکاری یا فقیر

3۔ گداگر: بھیک مانگنے والا/ گدھا ہانکنے والا/ دھوبی/ برتن ساز

4۔ دشنام: بدنام/ مشہور/ دس ہاتھ والا راکھشش/ گالیاں

5۔ قمار بازی: شطرنج کی مختصر بازی/ جوا کھیلنا/ باز یا عقاب کو آپس میں لڑانا/ چاندنی رات میں آنکھ مچولی کھیلنا

6۔ دود کش: بہت خوب صورت/ دھواں نکالنے والا سوراخ یا چمنی/ جانور کا دودھ نکالنے کا اوزار/ دودھ نکالنا

7۔ رجوع: پلٹنا یا حاضر ہونا/ نماز کا ایک رکن/ ایک درباری عہدہ/ کسی چیز کا پانچواں حصہ

8۔ دِساور: سبزی منڈی/ دیسی سامان/ غیر ملک یا غیر ممالک/ کالا نمک

9۔ شکر رنجی: میٹھا بولنا/ مسکراہٹ/ زیادہ میٹھا کھانے سے ہونے والی بیماری/ ان بن یا معمولی رنجش

10۔ دستی: ہاتھی/ زبردستی کیے بغیر آسانی سے ہو جانے والا کام/ بدہضمی کا نتیجہ/ ہاتھ کے ذریعہ ہونے والا کام

نتیجہ: ◆10 یا کم نمبر: آپ کی اردو کمزور ہے۔ اردو کی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے۔ ◆15 اور 25 نمبر کے درمیان: شاباش۔ تھوڑی اور کوشش کی ضرورت ہے۔ ◆30 اور 40 نمبر کے درمیان: بہت خوب، یوں ہی اردو پڑھتے رہیے۔ ◆45 یا 50 نمبر: مبارک ہو۔ آپ کی اردو بہت اچھی ہے۔

یہاں اور آئندہ صفحے پر نیچے دی گئی تصویریں دیکھنے میں ایک جیسی لگتی ہیں لیکن دونوں میں دس فرق ہیں۔ غور سے دیکھئے اور تلاش کیجیے۔

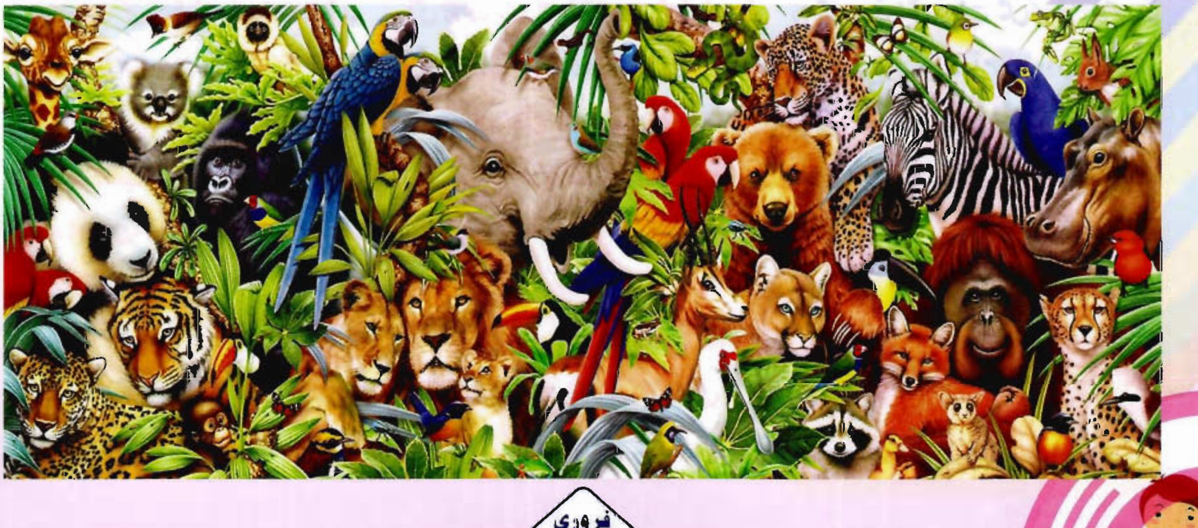

▲ اس شمارے کی تصویر

صحیح جواب

[illegible]

[illegible]

ننھے فن کار

♦ جامعہ ملیہ اسلامیہ مڈل اسکول میں درجہ پنجم کی طالبہ مریم فاطمہ لکھتی ہیں کہ ان کی ٹیچر نے بچوں کو نانی کے گاؤں کی یاد میں ایک نظم لکھنے کو کہا تو انھوں نے ایک نظم کہہ ڈالی اور پوری کلاس کو سنانے کے بعد ہم سب کو یہ نظم سنانا چاہتی ہیں۔ نظم کچھ یوں ہے:

بلا رہا نانی کا گاؤں

بلا رہا نانی کا گاؤں
گاؤں کی ندیا گاؤں کے نالے
گاؤں کے گورے گاؤں کے کالے
گاؤں کی گلیاں اور گوشالے
مجھ سے کہتے جلدی آؤں، بلا رہا نانی کا گاؤں
نانی نے تھی بلی پالی
نانی نے جو رکھی جلیبی
بلی نے وہ ساری کھالی
نانی نے جب مارا ڈنڈا
بلی بولی میاؤں میاؤں، بلا رہا نانی کا گاؤں
نانی کی ہر بات نرالی
گھر میں کرتی گائے جگالی
گھر کے دیواروں پر بیٹھے
کوے کرتے کاؤں کاؤں، بلا رہا نانی کا گاؤں

کیوں؟ ہے نا ایک پیاری سی نظم! یہ جو اپنی تصویر انھوں نے بھیجی ہے اس میں دروازہ شائد ان کی نانی کے ہی گھر کا ہے! امید ہے مریم فاطمہ یوں ہی اچھی اچھی نظمیں لکھنا جاری رکھیں گی اور کچھ ہمیں بھی بھیجیں گی۔

♦ سر سید میموریل اسکول، بھدریہ، گیا بہار کی ظریفہ خاں جو درجہ نہم میں پڑھتی ہیں پہلے بھی 'بچوں کی دنیا' میں شریک ہو چکی ہیں اب انھوں نے ایک پینٹنگ بھیجی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ ہم مصوری میں مہارت تو نہیں رکھتے لیکن اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ظریفہ کو رنگوں کی کچھ سمجھ تو ضرور ہے، جو محنت اور مشق کے بعد انھیں اس میدان میں کافی آگے لے جا سکتی ہے۔

♦ اسی شہر کے اسی اسکول کے درجہ چار میں پڑھنے والی عظمیٰ عبدالوہاب نے ہمیں اپنی دو پینٹنگز بھیجی ہیں۔ ان تصویروں کی اسکین کی ہوئی یہ نقلیں کچھ زیادہ اچھی نہیں ہیں لیکن امید ہے کہ اصلی پینٹنگز ان سے کہیں زیادہ بہتر ہوں گی۔ اس کے علاوہ ہمیں امید ہے کہ باقی پڑھنے والے بھی اس کالم میں حصہ لیں گے۔ □